امداد صابری

پبلیشر امداد صابری چوڑی والان - دہلی

قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے
قیمت بلا جلد دو روپے

اس حقیر تاریخی کوششوں کے مجموعہ کو

میں اپنے والد بزرگوار حضرت قبلہ مولینا شرف الحق صاحب مرحوم

کے نام معنون کرتا ہوں

جن کی پدرانہ محبت اور جد وجہد نے مجھ کو اس

خدمت کے قابل بنایا

اور جن کی یاد میں میرا دل ہمیشہ بے چین رہتا ہے

مجھکو اللہ رب العزت انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے آمین

امداد صابری (نظر بند)
چوڑیوالان - دھلی

...م جنوری سنہ ۱۹۴۴ء

جس موضوع تحریف انجیل پر یکم اپریل ۱۸۵۴ء میں آپ کے استاد مولانا رحمت اللہ نے پادری فنڈر کو مناظرہ میں لاجواب کیا تھا اسی موضوع پر آپ نے ۱۸۹۱ء میں دہلی کی مسجد فتحپوری کے اندر لارڈ بشپ جے۔ اے لیفرائے پرنسپل مشن کالج دہلی سے مناظرہ کیا۔

دہلی اور دہلی کے اطراف کے اضلاع میں اس مناظرے نے ایک ہلچل مچادی تھی جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ پادری صاحب اور آپ میں یہ طے ہوا تھا کہ جو شخص مناظرہ میں ہار جائے گا وہ عام مجمع مناظرہ میں اپنی شکست کا اعتراف کرے گا۔ اور شکست نامہ لکھ کر دے گا۔ نیز ہارنے والا مقابل کے مذہب کو اختیار کرے گا۔

اس مناظرہ میں آگرہ، علی گڑھ، میرٹھ، دیوبند، اور سہارنپور کے سربرآوردہ و مشاہیر و علماء نے شرکت کی۔ عیسائی حضرات بھی ان اضلاع سے آئے۔ مناظرہ ہوا۔ مناظرہ میں پہلے روز مجمع بیس پچیس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھا۔ بحث چھ سات گھنٹے جاری رہی لیکن ناتمام۔ دوسرے دن پھر ہوئی پہلے روز کی عالمانہ اور فاضلانہ بحث نے شہر میں اور آگ لگادی تھی۔ دوسرے روز مناظرہ میں قریب قریب تمام شہر اُمنڈ آیا۔ مناظرہ شروع ہوا ایک گھنٹہ نہ لگا کہ فیصلہ ہوگیا اور مولانا رحمت اللہ کے شاگرد رشید نے اپنے مقابل لیفرائے کو شکستِ فاش دی اس جم غفیر میں اس نے اپنے مذہب کو نہ بدلا لیکن تسلیم کیا کہ واقعی انجیل شریف میں تحریف ہوئی ہے اور حسب ذیل تحریر لکھ کے حوالے کی۔

"میں اقرار کرتا ہوں کہ لوقا کی انجیل شریف کے ترجمہ اور علاوہ اس کے اصلی نسخوں میں جو اس وقت موجود ہیں چند آیتیں غلط ہیں اور بھول سے داخل کی گئی ہیں۔ یہ بات سب سے قدیم نسخوں و ٹریکٹوں کے ملانے سے معلوم و ظاہر ہوئی۔ وہ آیتیں ان میں نہیں ہیں۔ لہذا میں وہی اصلی انجیل کی باتیں سچی مانتا ہوں۔ چند مستشرقین شعراء کے قول انجیل شریف میں ملے ہوئے ہیں۔"

دستخط جی۔ اے لیفرائے

غازی پور مشن اسکول میں ۸ مارچ ۱۸۸۵ء یکشنبہ کو دن کے تین بجے پادری روفس سے مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے تین گھنٹے کی بحث کے بعد لاجواب ہو کر آخر میں تین ہزار کے مجمع میں اعتراف شکست ان الفاظوں میں کیا کہ ہم میں اتنا علم اور لیاقت نہیں ہے کہ مولانا صاحب سے مقابلہ کر سکیں مولانا صاحب نے ہمارے مذہب میں ایسی تحقیق اور وسیع معلومات حاصل کی ہیں کہ اس پر مولانا صاحب کو صد آفریں ہے۔

مناظرہ کا ڈھنگ

آپ کا مقابل کو شکست دینے کا یہی طریقہ تھا کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں مقابل کی کتابوں کے حوالے پیش کرتے تھے [illegible] کی ڈھال کو اسی کے لئے خطرناک بنا دیتے تھے جس سے اس کا عاجز ہونا لازمی تھا۔

آپ کے لیکچر اور مناظرے عامیانہ رنگ سے بالکل پاک و صاف

ہوتے تھے اور ایک محققانہ اور عالمانہ شان رکھتے تھے۔ آپ کی قابلیت و
لیاقت کی تعریف و توصیف میں غیر مذاہب کے ذمہ دار اور سنجیدہ اور متین
حضرات نے بھی حصّہ لیا ہے اور جنہوں نے آپ کے لیکچر سنے ہیں انہوں نے
بھی آپ کی ذہانت کا سکہ مانا ہے چنانچہ مسٹر جے رجسٹرار ہوم ڈیپارٹمنٹ
مسٹر ایچ، ایس بارلسن فورن سیکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا۔ مسٹر فرنگی گر ٹلینڈر
رجسٹرار ملٹری ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا۔ مسٹر ترن ہز ہائی نس مہاراجہ چھوٹا
ناگپور۔ مسٹر ایم۔ بی ولسن سیکریٹری ڈیپارٹمنٹ۔ مسٹر بکوہ لے ڈپٹی کمشنر شملہ
وغیرہ آپ کے مداحوں میں سے ہیں۔

تبلیغ اسلام آپ مناظروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اخلاقی حالت
کو بھی درست کرتے اور ان کو متشرع بنانے کی کوشش
کرتے تھے۔ آپ نے پنجاب، سندھ، بہار، بنگال، یو۔پی کا کوئی ضلع نہیں چھوڑا
جہاں آپ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تعلیم نہ دی ہو اور احیاء شریعت
نہ کی ہو۔ سینکڑوں ایسے دیہات تھے جن میں خدا کا نام لیوا تک نہ تھا اور بہت
سے ایسے گاؤں تھے جو خدا کے گھروں سے خالی تھے ان میں مسجدیں تعمیر کرائیں
اور پنجگانہ باجماعت نمازی پیدا کئے۔

موضع پنڈولی کا ایک دیہاتی ایک مشہور بے نمازی تھا اور جس نے
مسجد میں اپنے بیل گھسنے پر ملاجی سے کہا تھا کہ "ملاجی یہ سسرا بیل بڑا باؤلا ہے
جو مسجد میں گھس آیا بھلا تو نے ہمیں بھی کبھی اپنی مسجد میں دیکھا ہے"!!
وہ الہڑ اور اجڈ دیہاتی اگر کسی کے قبضہ میں آیا تو آپ کے جھکاؤ آپکی

تعلیم کے آگے۔ اور ایسا پابند صوم وصلوٰۃ ہوا کہ مسجد کا ہو گیا مرتے مرتے مر گیا لیکن مسجد کی دو وقتی جھاڑو پنج وقتی اذان اور نماز نہ چھوڑی۔ لوگ اس کو "باؤلا بیل" کہہ کر چھیڑتے تھے اور وہ یہ سن کر ہنستا ہوا مسجد میں گھس جاتا تھا۔

ایک دوسرے تاجرانہ ذہنیت والے دیہاتی سے آپ کا واسطہ پڑا جن کے بارے میں مشہور تھا کہ کسی دن آپ نے نماز پڑھ لی تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا روزہ بھی رکھ لیا تھا۔ قضاء عنداللہ اسی دن ان کی بھینس کی کٹڑی مر گئی تب بیٹے نے اطلاع دی تو بولے۔

لے رے ہم ہی رُجبہ رکھیں اور نماج پڑھیں اور ہماری کٹڑی مار دی یہ کہکر روزہ میں گنے کی پوری منھ میں لے کر چوس لی۔ اور بولے لے یہ تیرا رُجبہ رہا اور سام کو تجھے نماج پڑھواؤں گا۔

چنانچہ جب یہ ذات شریف آپ کی صحبت میں کچھ دن رہے تو نماز پڑھنے کی جون میں آگئے۔ اپنی غلطی پر نادم ہوئے۔ توبہ استغفار کی۔ حج کو گئے۔ حاجی کہلائے اور گاؤں میں بہت سی بیوہ عورتوں کی شادی اپنے خرچ پر کرائی اور گاؤں میں ایک شاندار کنواں بھی کھدوایا۔ آپ کو دیہاتی اپنی زبان میں "مولوی لٹھ" کہتے تھے۔ آپ کا دستور تھا کہ پہلے گاؤں کے چودھری کو نمازی بناتے تھے چون وچرا کرنے پر گوشمالی اور ڈانٹ ڈپٹ سے بھی باز نہ رہتے تھے۔

آپ کو بارہا اتفاق ہوا کہ دیہاتیوں کو نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں لے گئے۔ صفوں میں کھڑا کیا۔ جماعت ہوئی۔ دوران نماز میں کوئی دیہاتی جماعت سے علیحدہ ہو کر بھاگتا تو آپ بھی اسکے پیچھے بھاگتے پکڑ لاتے اور جماعت میں شامل کر دیتے۔

پیری مریدی

آپ کے مریدوں کی ہندوستان میں تقریباً بیس پچیس ہزار کی تعداد تھی جن میں کثرت سے اوجین، اندور، رانچی حیدرآباد سندھ، بلسکرا، ہزاری باغ، اٹکی ضلع رانچی، کشن گڑھ، اجمیر، ناگپور دہرہ دون، سہارنپور، رڑکی وغیرہ کے باشندے تھے۔

آپ کے ممالک اسلامیہ میں بھی کثرت سے مرید تھے۔

علی الخصوص ان مریدوں میں کثرت سے علماء کا طبقہ تھا مثلاً مولانا مولوی محمد سعید تکیہ مولویہ، مولانا شیخ ابوالخیر نائب مدرس مکتب اسلامیہ مولانا سعید محمد بدرالدین آفندی گیلانی صاحب سجادہ حماہ شریف۔ مولانا الحاج محمود ہاشمی الحلبی۔ مولانا ادیب آفندی گیلانی۔ مولانا شیخ محمد امین آفندی دمشقی وغیرہ وغیرہ۔

آپ اپنے ارادہ کے مضبوط اور حق بات کہنے میں بیباک تھے ظالم کے سامنے اس کے ظلم کو رکھنے میں کسی قسم کی کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے کٹھن سے کٹھن بات کو بلا پریشانی کے طے کر لیتے تھے۔ آپ نے ۱۸۸۸ء میں ہر کی پیڑی ہردوار پر جہاں اب کسی مسلمان کا پہنچنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے وہاں آپ نے اپنا لیکچر دھڑلے سے دیا۔

حکومت کی نظر عنایت

آپ کا وہابی جماعت یعنی دیوبندی حضرات سے تعلق تھا جن کے بارے میں مشہور تھا کہ سرحدیران کی ایک پارٹی ہے اور ان کو علاوہ دیگر ممالک کے ہندوستان سے بھی مدد ملتی ہے۔ اس پارٹی کے سرگرم معاون حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا قاسم العلومؒ اور روح رواں حضرت حاجی امداد اللہ شاہ مہاجر مکیؒ خیال کئے جاتے تھے۔

اسی طرح مولانا رحمت اللہ مرحوم مہاجر مکی بھی حکومت کی نظروں میں کھٹکتے تھے۔ جس کی بنا پر آپ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہی شبہات تھے جس نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو غدر کے زمانہ میں چھ مہینے حوالات میں مقید کرایا۔ اور حضرت حاجی امداد اللہؒ اور مولانا قاسم العلومؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے جس کے بعد حضرت حاجی صاحب قبلہ بھی ہندوستان سے مراجعت فرما گئے۔

آپ کا ان حضرات سے قریبی اور نزدیکی تعلق تھا۔ بھلا حکومت کی نظروں میں کیوں نہ چڑھتے اور کھٹکتے۔ حکومت نے سخت نگرانی کی۔ سی، آئی ڈی پیچھے پیچھے لگی۔ عجب عجب انداز اختیار کئے کبھی مرید کی جون میں اور کبھی عالم کی شان میں گھر پر مہمان رہی۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں ایک صاحب بہار کے مرید ہونے کے ناتے سے ٹاٹ کے کپڑے پہنے، پرہیزگاروں کی شکل بنائے شغل واذکار کے علاوہ بنے ہوئے گھر پر آئے مہمان ہوئے اور آپ کے گھر کے چھوٹے کمرہ میں ٹھیرے آخر دنوں میں اتفاقیہ طور پر ان ٹاٹ پوش مرید کی عدم موجودگی میں نظم المحدث کا چھوٹے کمرہ میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں ان کے بستر کے نیچے ایک ڈائری کا کونہ نظر آیا۔ اٹھا لیا۔ کھولا دیکھا تو روزانہ کے والد مرحوم کے قول و افعال قلمبند کئے ہوئے تھے اور جو لوگ والد صاحب کے ملاقاتی تھے ان کے

نام بھی درج تھے اور ایک صفحہ پر یہ خاص ریمارک لکھا ہوا تھا۔
"مولانا بہت گہرے اور سازشی ہیں"
یہ ڈائری میں نے اپنے قبضہ میں کی والد کو دکھائی تو آپ ہنس دئیے
اور کہا رکھ دو۔ جو کام اس کا ہے کرنے دو۔ میں نے ارشاد کے مطابق وہ
ڈائری وہیں بستر کے نیچے رکھدی۔ وہ حضرت کچھ دن اور رہے اور پھر
چلدئے ان کا اس کے بعد کوئی پتہ نہ لگا۔
اسی طرح ایک دوسرے صاحب دراز ریش اور چرب زبان بنگالی
آئے مناظرین کر آپ کے ہمراہ رہے ان کا بھانڈا آپ کے ایک مرید انسپکٹر
پولیس بنگال نے پھوڑا۔ وہ جو آپ سے ملاقات کرنے آئے تو ان حضرت
بنگالی کو دیکھکر چونکنے ہوئے اور علیحدگی میں آپ کو اس راز سے آگاہ کیا
بعض مفسدوں نے یہ شکایت کی کہ آپ کا حکومت ترکیہ سے مولانا
رحمت اللہ کی معرفت سازباز ہے۔ اور آپ ہندوستان میں حکومت ترکیہ
کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

مقدمات میں پھانسنے کی کوشش

اس شکایت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے
خلاف دہرہ دون میں تقریر کرنے کے سلسلہ میں مقدمہ چلانے کی تجویز
ہوئی۔ تفتیش دہلی حکام نے کی معززین شہر کی کوششوں سے یہ معاملہ
رفع دفع ہوگیا اور مقدمہ پولیس نے واپس لے لیا۔
اسی طرح مصر کے ایک جہادی واعظ پر کچھ بس نہ چلا تو دفعہ ۱۰۹ میں

کارروائی کرنے کے لئے ہندوستان میں تفتیش کے لئے کاغذات روانہ کئے۔ دہلی پولیس کے ہاتھ میں جب یہ کیس آیا تو معلومات بہم پہنچائی اور مستند حضرات کے بیانات قلمبند کئے گئے۔ جن میں حکیم عبدالمجید خانصاحب بھی شامل تھے۔ تب دہلی پولیس نے یہ رپورٹ مرتب کی کہ۔

مولانا پر ۱۰۹ کا مقدمہ کسی صورت میں نہیں چل سکتا۔ مولانا ایک خاندانی آدمی ہیں۔ چنانچہ یہ مقدمہ بھی نذر رفائل ہوا اور مفسدوں کو منھ کی کھانی پڑی۔

آپ تیز طبع ذہین اور انتہائی خوددار تھے۔ سپاہیانہ رندانہ اور آزادانہ وضع رکھتے تھے۔ عالمانہ شان بھی قائم تھی اور تصوفانہ رنگ بھی جما ہوا تھا۔ قد و قامت میں بلند و بالا۔ رنگ گورا آنکھیں بڑی بڑی نگاہیں تیز، اور چہرہ بھاری بھرکم، اور کتابی تھا۔ اور بقول خواجہ حسن نظامی:۔

ان کی خوش بیانی اور وعظ گوئی کی دھوم تھی وہ جسامت کے اعتبار سے مولانا شوکت علی سے کم نہ تھے۔ آواز بھی گرج دار تھی اور طرز بیان بھی فوجی تھا جس طرح ایک فوجی افسر حکم دیتا ہے اسی طرح وہ تقریر کیا کرتے تھے۔ (دہلوی)

آخر میں آپ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ بڑھاپے نے عاجز کر دیا تھا پاؤں لنگ کرنے لگا تھا۔ بینائی میں بھی معمولی سا فرق آگیا تھا لکھنے پڑھنے میں دقت ہوتی تھی مگر حافظہ اس قدر تیز تھا کہ ڈھائی تین ہزار کے کتب خانے میں سے کوئی کتاب آپ کے سامنے نکال کر رکھ دیجئے یہ تک بتا دیتے

تھے کہ فلاں صفحہ پر میں نے اس مضمون کا حاشیہ لکھا ہے۔

انتقال

انتقال سے ڈیڑھ سال پہلے لقوہ کا حملہ ہوگیا تھا جسم کا نصف حصہ اس کی زد میں آیا۔ علاج معالجہ ہونے پر افاقہ تو ہوا اور تندرستی کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے۔ لیکن وہ سب وقتی تھے۔ حکیم نابینا صاحب حکیم محمد احمد صاحب حکیم ظفر صاحب اور حکیم عبدالغنی کلکتہ والوں سے خاص تعلقات تھے وہ ادویات دیتے رہتے تھے مگر وہ بے سود تھیں پھر لقوہ ابھرا ہوتے ہوتے تمام جسم پر چھا گیا اعضا نے جواب دے دیا اور آخر ۷۰ برس کی عمر میں ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء مطابق ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ روز منگل بوقت ۸ بجے شب گلی بدلیاں محلہ چوڑیوالان والے مکان میں جب کہ شاہ جارج پنجم کی وفات پر تمام ہندوستان میں ہڑتال تھی۔ آپ نے جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔

رسمِ تدفین میں مفتی محمد کفایت اللہ، ڈاکٹر ذاکر حسین جامعہ ملیہ، حکیم محمد احمد خاں صاحب، حکیم ظفر احمد خاں صاحب، مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری مولانا عبدالرحمٰن صاحب پروفیسر مشن کالج دہلی، نواب سراج الدین احمد خاں سائل، وحیدالدین صاحب بیخود دہلوی۔ مولانا احمد سعید صاحب پیرجی عبدالصمد صاحب و دیگر معززین شہر اور علما و مشائخین و اہالیانِ دہلی نے حصہ لیا۔

تصانیف و کتب خانہ

انتقال کے وقت ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی جائداد عبرانی، یونانی، پشتو، ترکی، انگریزی، عربی، فارسی، ہندی، اردو کی ڈھائی تین ہزار قلمی و مطبوعہ کتابوں کا ذخیرہ اور گیارہ

حسب ذیل تصنیفات چھوڑیں۔

(۱) دافع البہتان جلد اول دوم (۲) بروق لامعہ بجواب ستیارتھ پرکاش (۳) استیصال دین عیسوی بمقابلہ دین محمدی (۴) مناظرہ دہلی (۵) مناظرہ کالکا (۶) مناظرہ حیدرآباد دکن (۷) مناظرہ پونہ (۸) مناظرہ غازی پور۔

اس میں کئی مناظرے انگریزی زبان میں طبع ہو چکے ہیں

سفرنامہ حج

پہلے حج کا سفرنامہ بھی بالتفصیل لکھا ہوا قلمی موجود ہے۔ اب تک طبع نہ ہو سکا۔ طبع کرانے کی کوششیں جاری ہیں اللہ تعالیٰ کامیاب کرے۔

امداد صابری

فہرست مضامین

مدعائے تالیف

عہد قدیم میں مجرم کے قید میں جانے کے بعد اس کے لواحقین و متعلقین اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے تھے بلکہ اس کو اپنے ذہن سے بالکل بھلا دیتے تھے جیل میں اس پر کیا گذرتی ہے اس سے کوئی واسطہ و تعلق نہ ہوتا تھا بلکہ پلیگ کی طرح اس سے نفرت کیجاتی تھی اور ہر فرد اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا۔

لیکن اب وہ دور نہیں رہا۔ زمانہ ترقی کر چکا ہے۔ عوام میں بیداری پھیل چکی ہے۔ ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے جرم کی اصلیت معلوم کرنا اور قید کے مفہوم کو سمجھنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ تاکہ جیل کے نظام کا طریقہ اور اس کا مقصد سمجھ میں آجائے۔

جرم کسی دور یا نظام قانون کیخلاف حرکت کو جرم کہتے ہیں۔ قانون خواہ وہ ان پڑھ قبیلوں کی رسمیں ہوں یا مذہب نسلوں کی مرتب کردہ دستاویزات ہوں ہر ایک اس کام کو روکتے ہیں جو سوسائٹی کے مفاد کے منافی ہو۔ قانون سازوں کا بھی قانون بنانے سے یہی مقصد ہوتا ہے۔ انسان چونکہ غلطیوں کا پتلہ ہے۔ اس لئے اس سے کوئی قانون ناجائز بھی بن سکتا ہے۔

سوسائٹی کے مفاد کے خلاف کام کرنا جرم ہے۔ اس کو روکنے کے لئے سزائیں تجویز ہوئیں۔ بعض جرائم انسان اپنے مفاد کے خلاف بھی کرتا ہے۔ لیکن سوسائٹی صرف ان جرموں پر تادیب کرتی ہے جس کا اثر سوسائٹی پر مضر پڑتا ہے

علاوہ ازیں جرم محض انفرادی شکل میں نہیں ہو سکتا۔ سوسائٹی کی عدم موجودگی میں جرم کا احتمال ناممکن ہے۔ چنانچہ ایک مشہور انگریز مصنف مرکیور Mercier لکھتا ہے

کسی آدمی کو صحرا یا غیر آباد جزیرے میں اکیلا چھوڑ دیا جائے اور اور تمام نامناسب حالات پیدا کر دئے جائیں تب بھی اُس کے جرم کرنے کا امکان پیدا نہیں ہو سکتا۔ نہ وہ چوری کر سکتا ہے نہ دھوکہ دے سکتا ہے۔ نہ قتل و غارتگری زنا اور ڈاکے مارنے کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ نہ بھیک مانگ سکتا ہے اور نہ جیب کتر سکتا ہے۔ اِس لئے کہ وہ ایسی زندگی گذار رہا ہے جہاں جرم کا دخل نہیں وہ جب تک وہاں ہے جو چاہے کرے جہاں چاہے جائے اُس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

لیکن وہی آدمی جب اس بیابانی زندگی کو چھوڑ کر سوسائٹی میں داخل ہوتا ہے تو وہ اپنی شخصی آزادی کے ہر دائرہ کو محدود پاتا ہے اور وہ فعل جو وہ صحرا میں کرتا تھا اس کو جرم پاتا ہے۔ اس کا سبب سوسائٹی کی حفاظت ہے۔ اگر ہر شخص اپنی خواہشات کے مطابق بغیر پابندی کے چلتا رہے تو سوسائٹی پاش پاش ہو جائے اور کوئی بھی ضابطہ قائم نہ رہ سکے۔

(Crime and Insanity ch. 1.)

سوسائٹی کے مفاد پر انسان کی شخصی آزادی کو قربان کر دینے سے خود غرضی اور خود پرستی اور خود نمائی کے خیالات ختم ہو جاتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ انسان

اپنی آزادی کو محدود پاتا ہے بلکہ وہ اس سے زیادہ قربانی کرنے کے قابل ہوجاتا ہے اس لئے کہ سوسائٹی کے مفاد کا یہ تقاضا ہے کہ جماعت کا ہر فرد اس کو اپنی پوری مدد دے۔ بصورت دیگر اس کی مدد سے انکار کرنا جرم کہلایا جاسکتا ہے اسی طرح ایک سوسائٹی کو ایک خاندان سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جسکی حفاظت کے لئے رسوم اور قوانین بنائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی فرد ان قوانین کے خلاف عمل کرتا ہے تو وہ مجرم کہلاتا ہے۔ شخصی خاندانی اور اس سے بڑھ کر جماعتی زندگی کے ارتقائی منازل میں بہت سی حرکات جرم بن گئیں اور بہت سی باتیں جو ایک درجہ پر جرم تھیں اب دوسرے درجہ پر آکر جرم نہیں رہیں۔

تہذیب کے ترقی کرنے سے علوات اور خیالات کی تفریق نے قانون اور جرم کی تعریف میں بہت کچھ تبدیلی پیدا کردی۔ یہ بات ہندوستان اور دوسرے ممالک پر یکساں طور سے منطبق ہوتی ہے۔

سزا

سزائے قید کی بنیاد انتقام لینے کا جذبہ اور مجرم سے محفوظ ہونے کا خیال تھا۔ چنانچہ عہد قدیم میں شکست خوردہ گروہ یا مقتول کی پارٹی کی طرف سے انتقام لیا جاتا تھا۔ اور اب تک بہت سے علاقوں میں خون کے قصاص لینے کا عام رواج ہے۔ لیکن تہذیب کی ترقی کے ساتھ اس خیال میں تبدیلی ہوئی اور ذاتی انتقام کو برا سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ بقول لاطینی مصنف سزا کے تین مقصد قرار پائے۔

(۱) مجرم کی اصلاح (۲) سوسائٹی کے بقایا ممبران اس سے عبرت حاصل کریں (۳) مجرم کو سوسائٹی سے علیحدہ رکھنا۔

مگر کیا مجرم کو سزا دینے اور اس کو کچھ عرصہ کے لئے قید کر دینے سے سوسائٹی کی بھلائی ہو جاتی ہے۔ جرم کا اعادہ اور مجرمانہ ذہنیت کا بڑھنا واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ محض ہر قاتل کو دار پر چڑھانے اور چور کو قید میں بھیجنے سے قوم کی بھلائی ممکن نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ انسانی سوسائٹی مستقبل کے لئے جرموں سے بالکل محفوظ ہو گئی۔

جرائم کا روز بروز ترقی کرنا کسی اور ہی بات کی علامت ظاہر کرتا ہے اُس کے نزدیک تہذیب و تمدن کی ترقی کے باوجود جرموں میں کوئی کمی نہیں ہوئی یہ غیر تسلی بخش حالات موجودہ ترقی یافتہ روشن خیال طبقہ کے لئے باعث افتخار نہیں جب کہ صنعت و حرفت اور تعلیم وغیرہ میں انسان نے معراج کمال حاصل کر لیا ہو اور اس وقت موجودہ نظام جرائم کے انسداد سے قاصر رہا ہو۔

کیا ہم جرموں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں؟ کس طرح؟ یہ سوال ہیں جن کے حل کا انتظار ہے۔ جرم کے انسداد کا مکمل حل انتقامی طور پر پھانسی یا سزا دینا۔۔۔ نہیں بلکہ جیل میں اور جیل کے باہر سوسائٹی کے مجرموں پر اخلاقی اثرات ڈالنے سے ہو سکتا ہے اس لئے کہ مجرمانہ ذہنیت کا کم و بیش دار و مدار وراثت ماحول اقتصادی حالات پر مبنی ہوتا ہے

اب تک کوئی منظم کوشش جیل کے حالات کا مطالعہ کرنے کی نہیں کی گئی اور نہ یہ معلوم کیا گیا کہ انفرادی طور پر جرموں کے اسباب و علل کیا ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں کوشش کی جائے تو دنیا کا تجربہ جرائم کے اسباب کو مٹانے میں کافی مدد دے سکتا ہے۔

چنانچہ ہماری اِس تصنیف کا تنہا مقصد یہ ہے کہ ہم دنیا کے جرم و تعزیر کا معمولی سا خاکہ پیش کر کے بتائیں کہ دنیا میں جرائم کا انسداد کن اصلاحی طریقوں سے ہو سکتا ہے اور دنیا برائیوں سے کیونکر بچ سکتی ہے۔

اِس مطمحِ نظر کے ماتحت ہم نے تاریخ جرم و سزا کو چھ جلدوں پر منقسم کیا ہے۔

جلد اول — ہندوستان کی تاریخ جرم و سزا
جلد دوم — انگلستان کی تاریخ جرم و سزا
جلد سوم — ممالکِ اسلامیہ " "
جلد چہارم — روس، امریکہ، جرمن، جاپان " "
جلد پنجم — تاریخ بغاوت
جلد ششم — طریقہائے انسدادِ جرائم

پہلی جلد کے دو حصے کئے گئے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان کے عہد قدیم اور انگریزی دور کے ابتدائی طریقۂ جرم و سزا کا ذکر ہے اور دوسرے حصہ میں ہندوستان کی موجودہ جیلوں کی حالت کی تفصیل ہے۔

تاثراتِ تالیف

جیل کی آمد و رفت، جیل کی زندگی، جیل کے ماحول نے متاثر کیا کہ اِس مہذب دنیا میں مجرموں کی بستی کا بھی کچھ ذکر چھیڑنا چاہیئے۔ انسان کس ذلت اور تحقیر کے ساتھ اپنے قید کے دن گذارتا ہے۔ اس کی بھی دردناک کہانی زبانوں پر ہونی چاہیئے۔

تاکہ مہذب دنیا غور کر سکے کہ اس نے انسانی اخلاقی ذہنیت کے مہذب کرنے میں کیا کچھ ترقی کی ہے۔

"تاریخ جرم و سزا" کا خاکہ ان ہی خیالات نے تیار کیا ہے۔ پہلی جلد مکمل طور پر ایک ہی جذبہ کیساتھ نظر بندی کی حالت میں لکھی گئی ہے۔ وہ یادگار ہے غلامی کی مجبوری کی، محکومی اور مظلومی کی۔

چنانچہ پہلی جلد کا دوسرا حصہ اگست ۱۹۴۲ء میں "موجودہ جیلوں کا قیام، طعام ولباس، مشقتیں، سزائیں، قیدیوں کی شرارتیں" دہلی جیل کے کارخانے میں قلمبند ہوا ——— اور نومبر ۱۹۴۲ء کی مدت میں اس کا آخری حصہ "جیل کی عمارتیں، نابالغ قیدی، اتفاقیہ اور عادی قیدی، قیدی عورتیں، علاج ومعالجہ، رہائی کے بعد سلوک" کی تحقیقات انبالہ جیل میں مکمل ہوئی۔

دسمبر ۱۹۴۳ء کے زمانہ میں علاقہ کی نظربندی کی حالت میں جلد اول کا پہلا حصہ ہندوستان کی عہد قدیم اور انگریزی دور کی تاریخ تیار ہوئی۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ دوسری جلدیں کس صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچیں گی۔

کتبِ ماخوذہ تاریخ جرم وسزا جلد اول کی تیاری میں جن کتابوں کا مطالعہ کیا گیا ہے اور جن کے حوالے واقتباسات دئے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

کتب انگریزی

(۱) انسائیکلوپیڈیا جلد ششم	(۲) ہسٹورینس ہسٹری آف ورلڈ
(۳) ریسیلز اینڈ ریکوریشن مصنفہ مسٹر سلیمن	(۴) امپیریل گزیٹیر آف انڈیا جلد دوم
(۵) تاریخ رولرس آف انڈیا مصنفہ جی ڈی اسول	(۶) تاریخ میسور از لوئیس رئیس
(۷) میمورس آف دی لیٹ وار مصنفہ جی مری	(۸) تاریخ کرنل ولکس
(۹) سفرنامہ ڈاکٹر برنیر	(۱۰) سفرنامہ مارکوپولو
(۱۱) تاریخ الفنسٹن مصنفہ ڈاکٹر جیلی کریری	(۱۲) سوانحعمری عالمگیر مصنفہ لین پول
(۱۳) تاریخ اورنگ زیب پروفیسر جادو ناتھ	(۱۴) تاریخ ہنٹر

(۱۵) تاریخ ہندوستانی - ایچ جی رالنسن
(۱۶) انڈین پریزنس مصنفہ ڈبلو جے، پوول
(۱۷) ڈائری میجر پرائس
(۱۸) رپورٹ ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۷۶۶ء
(۱۹) ڈائری مسٹر پلیڈل سپرنٹنڈنٹ پولیس بنگال
(۲۰) امپری زنمنٹ مصنفہ مسٹر پارکر انسپکٹر جیل پنجاب
(۲۱) ٹک فور پریزنس
(۲۲) دی موڈرن پریزنس
(۲۳) آل انڈیا ایڈ سوسائٹی رپورٹ ۲۵-۱۹۲۴ء
(۲۴) رپورٹ انتظامیہ جیلہائے صوبہ یوپی ۱۹۴۲ء
(۲۵) جیل مینوئل یو-پی
(۲۶) جیل مینوئل پنجاب
(۲۷) جیل ایکٹ ۱۸۹۴ء
(۲۸) جیل ایکٹ ۱۹۰۰ء
(۲۹) یو، پی بورسٹل ایکٹ ۱۹۳۸ء
(۳۰) پنجاب بورسٹل ایکٹ
(۳۱) پولیس اینڈ کرائم ان انڈیا

عربی

(۳۲) فتاویٰ عالمگیری
(۳۳) کتاب الہند البیرونی

فارسی

(۳۴) فتوحات فیروز شاہی مصنفہ فیروز شاہ
(۳۵) تزک بابری
(۳۶) تاریخ علائی حضرت امیر خسرو
(۳۷) تزک جہانگیری
(۳۸) آئین اکبری - از ابوالفضل
(۳۹) تاریخ بدایونی
(۴۰) تاریخ مبارک شاہی
(۴۱) تاریخ ضیاء الدین برنی
(۴۲) تاریخ فرشتہ
(۴۳) منتخب اللباب اول، دوم مصنفہ خفی خان
(۴۴) سیر المتاخرین
(۴۵) مآثر عالمگیری
(۴۶) مآثر الامراء
(۴۷) رقعات عالمگیری

(۴۸) دفتر ابوالفضل اوّل

x x x x x x

اردو

(۴۹) سفر نامہ ابن بطوطہ

(۵۰) اخبار تیغ۔ دہلی ۱۷ر مئی ۱۹۴۲ء

(۵۱) دربار اکبری مصنفہ مولانا محمد حسین آزاد

(۵۲) تاریخ سلطنت خداداد مصنفہ محمود خاں بنگلوری

(۵۳) رسالہ قانون لاہور

(۵۴) تاریخ انگلستان

(۵۵) میرا افسانہ مصنفہ مولینا فضل حق صاحب

(۵۶) تاریخ بیجاپور مصنفہ مولوی بشیر احمد صاحب

(۵۷) کالا پانی۔ از مولانا محمد جعفر تھانیسری

(۵۸) تعزیرات ہند

(۵۹) وفاقِ ہند۔ از علامہ نجم الدین جعفری

(۶۰) تاریخ قلع فرخ آباد مصنفہ کالی رائے

(۶۱) دار الحکومت مصنفہ مولانا بشیر احمد صاحب

(۶۲) اورنگ زیب پر ایک نظر مصنفہ مولانا شبلی

(۶۳) مولانا عبید اللہ سندھی۔ از غلام سرور

x x x x x

ہندی

(۶۴) منو سمرتی

(۶۵) بھاگوت

(۶۶) اتہاش پرولیش

امداد صابری

قدیم ہندوستان کی تاریخ جرم وسزا

عہد قدیم میں آریہ ہندو ملک کی فتوحات کرتے اور اصلی باشندوں کو جو وحشی اور جنگلی تھے اپنی شجاعت اور بہادری سے غلام بنا لیتے تھے۔ راجہ سلطنت کے انتظام میں راج سبھا اور سمتی کا صلاح و مشورہ لیا کرتا تھا۔ کوئی ٹیکس یا معاملہ مقرر نہیں ہوتا تھا۔ گاؤں میں پنچایتیں قائم تھیں جو گاؤں کا انتظام کیا کرتی تھیں۔

راجہ مقدمے بھی فیصل کیا کرتا تھا۔ چوری کی سزا اس شخص کی صلاح سے دی جاتی تھی جس کا مال چرایا جاتا تھا۔ کبھی کبھی چور کے رشتہ داروں کو ہرجہ دینا پڑتا تھا۔ عام طور پر چور کو شکنجہ میں جکڑا جاتا تھا۔ موت کی سزا نہ تھی لیکن قاتل کو خوں بہا کے طور پر گائیں مقتول کے خاندان والوں کو دینی پڑتی تھیں۔ سزائیں موقعہ و محل کے مطابق دی جاتی تھیں۔[1]

منو کی تقسیم ذات

منو نے عہد برہمی میں آریہ ہندوؤں کو چار ذاتوں میں تقسیم کیا۔ برہمن، چھتری، ویش، شودر۔ برہمن تینوں ذاتوں کا سردار شمار کیا جاتا تھا۔ اس کی عزت راجہ سے بڑھ کر تھی۔ شودر طبقہ کو انتہائی ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی شودر کسی دوسری ذات کے آدمی کو گالی دیتا تو اس کی زبان کاٹ لی جاتی۔ اگر وہ برہمن کے ساتھ ایک چیز پر بیٹھتا تو اس کے جسم کے حصہ پر گہرا گھاؤ کر دیا جاتا تھا۔ اگر کسی مذہبی امور میں وہ برہمن کو مشورہ دیتا یا لوگوں کو پڑھانے کی جرأت کرتا تو گرم تیل اس کے منہ اور کان میں ڈال دیا جاتا۔ اگر کوئی شخص برہمن کا روپیہ چراتا تو

۱؎ تاریخ ہند ایچ جی رالنسن۔

اُس کے لئے سزائے موت تجویز ہوتی۔ اگر برہمن سے کوئی ایسا جرم بھی ہوجاتا جس کی سزا موت ہوتی تو اُس کا سر منڈوا کر مع اس کے کنبہ اور مال کے صرف جلاوطن کر دیا جاتا تھا پھانسی پر نہ چڑھایا جاتا تھا۔ اگر برہمن کے مویشی چوری ہو جاتے تو چور کا آدھا پیر کاٹ دیا جاتا تھا۔ اگر برہمن کو کہیں سے دفینہ ہاتھ لگ جاتا تو سب کا سب اسی کا ہوتا اور اگر کسی اور ذات والے کو ملتا تو اس سے راجہ لے لیتا۔ برہمنی کنیا سے جماع کرنے پر ایک سال تک جیل خانہ میں رکھا جاتا اور اسی جرم میں چھتری کی مونچھ پیشاب سے منڈوا دی جاتی اور جرمانہ کیا جاتا تھا[51]۔ برہمن چھتری کو ویدکی تعلیم دے سکتا تھا لیکن چھتری کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی دوسرے شخص کو تعلیم دے۔ خواہ وہ برہمن ہو۔ ویش اور شودر کے لئے وید کا سننا جائز نہ تھا۔ چہ جائیکہ اس کو زبان سے نکالنا اور پڑھنا۔ اگر دونوں میں سے کسی کا پڑھنا ثابت ہو جاتا تو برہمن اس کو حاکم کے حوالہ کر دیتا تھا سو اس کی زبان کاٹنے کی سزا دیتا تھا[52]۔

اِن چاروں ذاتوں سے نیچے ادنیٰ درجہ کے ذلیل لوگ شمار کئے جاتے تھے جن کو کسی طبقہ کا نہ کہا جاتا تھا۔ وہ صرف اپنے پیشہ کی طرف منسوب کئے جاتے تھے یہ لوگ انتز کہلاتے تھے پیشہ کے اعتبار سے ان کے آٹھ فرقے تھے۔ یہ لوگ نیچے درجہ کے دوسرے پیشہ والوں میں مل جاتے تھے سوائے دھوبی، موچی اور جلاہے جن کے پیشہ میں دوسرے پیشہ والے تنزل نہیں کرتے تھے۔ جیسے ذیل ہیں:-

(۱) کپڑا دھونے والا دھوبی۔

(۲) موچی

(۳) بازی گر یا نٹ

---

[51] منوسمرتی ادھیائے ۸ ۔ [52] کتاب الہند البیرونی باب ۱۲ جلد اول صفحہ ۱۶۳

(۴) ٹوکریاں اور ڈھال بنانے والا۔

(۵) کشتی چلانے والا۔ ملاح۔

(۶) مچھلی کا شکار کرنے والا مچھیرا۔

(۷) وحشی جانور اور چڑیوں کا شکار کرنے والا۔

(۸) کپڑا بننے والا۔ جلاہا۔

ان سب کو چاروں ذات والے اپنی آبادی میں سکونت پذیر نہیں ہونے دیتے تھے بلکہ گاؤں سے باہر آباد کرتے تھے۔ ہاڈی، ڈوم، چنڈال اور بدھتو یہ لوگ کسی فرقہ میں بھی داخل نہیں تھے۔ یہ لوگ گندے کاموں مثلاً گاؤں کو صاف کرنے اور ان کی دوسری خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ ان کی حالت اولاد زنا کی طرح تھی۔[۵۱]

انسانی طبقوں کے میل پر سزا

اس زمانہ کے راجہ جو اپنے فن یعنی کاروبار کی طرف توجہ رکھتے تھے اس کا بڑا اہتمام کرتے کہ لوگوں کو طبقات اور مراتب میں تقسیم کریں۔ وہ ان طبقات کی ایک دوسرے میں مل جانے اور نظم میں ابتری واقع ہونے سے حفاظت کرتے تھے۔ اور اس کے لئے باہمی میل جول ناجائز قرار دیتے تھے۔ ہر طبقہ کو اسی کام کے ہنر اور پیشہ پر مجبور کرتے تھے جو اس کے لئے مقرر ہے کسی کو اپنے مرتبہ سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور جو شخص اپنے مرتبہ پر قناعت نہ کرتا اس کو سزا دیتے تھے۔[۵۲]

منوشاستر میں تعزیر و عدل کے طریقے کیا ہیں اس کو منتشر قلبی دور سے سنئے:۔

منوشاستر

منوشاستر چونکہ ہندو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اس لئے اس میں عدل و انصاف کے متعلق واضح احکام موجود

---

۵۱ کتاب الہند اول باب ۹ صفحہ ۱۲۸ ۵۲ کتاب الہند جلد اول باب ۹ صفحہ ۱۲۵

ہیں۔ان احکام کی رُو سے نفاذ عدل کی ذمہ داری براہ راست راجہ پر عائد ہوتی ہے اور وہ یہ فرض یا تو برہمنوں اور مشیروں کی امداد سے کرتا ہے یا کسی خاص ایک برہمن کو تفویض کر دیتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے تین مشیروں کی مدد سے مقدمات کا فیصلہ کرے۔

مقدمہ کی فیس

مقروض مدعا علیہ اگر اپنا قرض تسلیم کر لیتا تو بادشاہ اُس میں سے پانچ فی صدی کا مستحق ہوتا تھا۔ اور جن قرضوں سے انکار کیا جاتا لیکن دورانِ سماعت میں ثابت ہو جاتے تو اُن پر راجہ کو دس فیصدی ملتا تھا۔ یہ فیس کی رقم ججوں کو ملتی تھی اور اس طرح وہ بغیر کسی تنخواہ کے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔

جج کے فرائض

دورانِ سماعت میں ایک راجہ یا جج کا فرض تھا کہ وہ فریقین اور گواہوں کے بیانات کے ساتھ ہی ان کے حرکات و سکنات اور چہرہ کا بھی خیال رکھے۔ مقدمات کے فیصلے مقامی رسم و رواج اور مختلف ذاتوں اور کنبوں کے رسم کے مطابق کئے جاتے تھے۔

پیشرو حکام کے فیصلے قابل مثال سمجھے جاتے تھے بشرطیکہ وہ مقامی رسم و رواج کے منافی نہ ہوتے۔ مقدمات کا فیصلہ کرنا راجہ اور اس کے افسروں کا فرض تھا لیکن مقدمہ بازی کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی۔ وہ راجہ سب سے بُرا سمجھا جاتا تھا جو اپنی رعایا سے مالیہ وصول کرے لیکن اس کی حفاظت نہ کر سکے۔

راجہ کا فرض تھا کہ وہ مشتعل مقدمہ بازوں، بوڑھوں اور بیماروں کی سخت کلامی برداشت کرے اور ماہرانِ قانون سے مشورہ کئے بغیر محض اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرنے میں محتاط رہے۔ جو مقدمہ قانون کے مطابق فیصل ہو جاتا اس میں

راجہ کو رد و بدل کرنے کا اختیار نہ تھا اُسے مسلمہ طریقوں کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔

قانون فوجداری

قانون فوجداری بہت سخت تھا اور اس میں بعض حصوں اور مذہبی سزاؤں سے قدیم ہندوؤں کے متعلق دل پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔ اگر توہمات اور ذات پات کا تعصب شامل ہو تو یہ سزائیں خونریز ہو جاتی تھیں۔ بعض حالات میں سزائیں بہت نرم تھیں اور بعض حالات میں سزائیں بہت سخت تھیں۔ ہاتھ کاٹنا سزا میں شامل تھا۔

مذہبی گناہوں کی سزا زندہ جلانا

مذہبی گناہوں کی پاداش میں زندہ جلا دینا شامل سزا تھا۔ سزائیں جرائم کے اعتبار سے غیر مناسب تھیں۔ اور بسا اوقات اس قدر غیر واضح اور مشتبہ ہوتی تھیں کہ مجرم سماعت فیصلہ سے پیشتر یہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسے کیا سزا دی جائے گی۔

زانی اور زانیہ کی سزا

تیرتھ کے موقع پر جنگل میں یا دریاؤں کے سنگم پر کسی کی بیوی سے گفتگو کرنا اسے پھول یا عطریات بھیجنا، اُس کے کسی زیور یا کپڑے کو چھونا یا اُس کے بستر پر بیٹھنا جرم تھا۔ اور اُن کی سزا جلاوطنی تھی۔ ساتھ میں جسم پر اس قسم کے نشانات کر دیے جاتے تھے جس سے اُس کی شناخت ہو جائے کہ یہ اس جرم کا پاپی ہے۔ زنا کی سزا [illegible] کو کتوں سے پھڑوا دیا جاتا تھا۔ اور زانی کو لوہے کے پلنگ پر آگ سے تپا کے جلا دیا جاتا تھا لیکن بعض اشلوک اس قسم کے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کی سزا پانچسو سے ایک ہزار پانہ تک جرمانہ تھی۔ علاوہ بریں زنا کا فیصلہ کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ زانیہ کس حیثیت کی عورت ہے۔ اگر کوئی سپاہی یعنی چھتری کسی برہمنی عورت سے زنا کرتا

تو اُسے بہت سخت سزا دی جاتی تھی۔ سوکھی گھانس یا نرسل اُس پر ڈال کر اُس کو جلا دیا جاتا تھا۔

قتل کی سزا

قتل کی کوئی واضح سزا منوشاستر میں نہیں ملتی۔ ایک ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر قتل کے ساتھ آتش زدگی اور ڈاکہ زنی بھی ہو تو مجرم کو سزائے موت دی جاتی لیکن بعض اشلوکوں میں قتل کی سزا ہلکی بتائی گئی ہے

چوری کی سزا

معمولی چوری کی سزا جرمانہ تھی۔ بڑی رقم کی چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ لیکن اگر کسی چور کے پاس گرفتار ہوتے وقت چوری کا مال نکل آتا اور اُس کی چوری کرنے میں کوئی شک نہیں رہتا تو اُس کی سزا موت تھی۔ چوری کے مال لینے والوں اور چوروں کو پناہ دینے والوں کو بھی وہی سزا دی جاتی تھی جو چوروں کو دی جاتی تھی۔ اور یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ چوری کے چھوٹے جرائم میں برہمن سے شدر کے مقابلہ میں اٹھ گنا جرمانہ لیا جاتا تھا۔

مجرم راجہ کو سزا

راجہ کوئی جرم کرتا تو اُسے ایک عام شہری سے ہزار گنا زیادہ جرمانہ دینا پڑتا تھا۔ اُس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ منو راجہ کے جرم کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔

ڈاکہ زنی کی سزا موت

ڈاکہ زنی کے الزام میں ہاتھ کاٹ دیئے جاتے تھے۔ اگر اس کے ساتھ خون بھی شامل ہوتا تو اسکی سزا موت تھی۔ جو لوگ ڈاکوؤں کو پناہ دیتے یا اُنہیں خوراک پہنچاتے تو اُن کی سزا موت تھی۔ کسی کو گالی دینا بھی جرم تھا لیکن مختلف ذاتوں کے لحاظ سے سزائیں بھی مختلف تھیں۔ جو لوگ اپنے اندھے، لولے، لنگڑے پڑوسیوں کو اندھا، لولا اور لنگڑا کہہ کر شرمندہ کرتے تھے انہیں جرمانہ ہوتا تھا۔ اگر برابر کے لوگوں میں مار پیٹ ہو جاتی

اور خون نکل آتا تو عام طور پر سو پانہ جرمانہ ہوتا تھا۔ اگر گہرا زخم آتا تو جرمانہ کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔ مار پیٹ میں ہڈی ٹوٹ جانے کی سزا جلاوطنی تھی۔

اونچے درجہ کے ملزموں کو سزائیں مقابلتاً زیادہ دی جاتی تھیں اناڑی معالجوں، کھیت خراب کرنے والوں، مٹی کی مورتیں توڑنے والوں اور خالص چیزوں میں آمیزش کرنے والوں کو ڈھائی سو سے پانچسو پانہ تک جرمانہ کی سزا ہوتی تھی۔

ناقص غلہ کو اچھا غلہ بنا کر فروخت کرنے کی پاداش میں سخت سزا دی جاتی تھی۔ بے ایمان سنار کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالی جاتی تھی۔ اپنے والدین بیٹے یا بیوی کو چھوڑ دینے کی سزا چھ سو پانہ تھی۔

شکاریوں، بازاری ناچنے والوں، خدا اور وید کے منکروں کو فوراً شہر بدر کر دیا جاتا تھا۔

قانون دیوانی

قدیم ہندوؤں کے قانون دیوانی ضابطہ فوجداری سے بہتر ہیں اور اس قدیم زمانہ تہذیب کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں دانشمندانہ کہا جا سکتا ہے۔

شہادت

جن لوگوں کا کسی معاملہ سے مالی مفاد وابستہ ہوتا یا گمنام لوگوں، معمولی خدمت گاروں، گہرے دوستوں اور ایسے لوگوں کا جن کا چال چلن مشتبہ ہو اُن کی گواہی قابلِ اعتبار نہ ہوتی تھی لیکن معتبر گواہان نہ ملنے کی صورت میں ہر قسم کی گواہیاں لی جاتی تھیں اور جج کو فیصلہ صادر کرتے وقت اُن غیر معتبر مگر مسموع گواہوں کا خیال رکھنا پڑتا تھا جھوٹی شہادت دینا جرم تھا شہادت کے سلسلہ میں ایک عقیدہ یہ تھا کہ جو شخص کسی کی جان بچانے کیلئے

جھوٹی گواہی دیتا وہ مجرم ضرور ہوتا لیکن سورگ میں اُسے جگہ ضرور ملتی کیونکہ اُس نے گناہ ایک نیک مقصد کے ماتحت کیا تھا۔

اگر کوئی گائے یا برہمن کے تحفظ کے سلسلہ میں جھوٹی قسم کھاتا تو اُس کو پاپ نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہندو شاستر دروغ حلفی کی بعض حالات میں اجازت دیتا ہے۔ لیکن ان چند مخصوص حالات کے علاوہ جھوٹی قسم کو ہمیشہ جرم سمجھا گیا۔

قرض خواہوں پر تشدد کا جواز ایک اشلوک کا ترجمہ یہ ہے کہ جو عدالت میں کسی سوال کا جواب جھوٹا دے گا اُسے سر کے بل نرک میں جھونک دیا جائے گا۔ قرض خواہوں کو اجازت تھی کہ وہ عدالت میں استغاثہ دائر کرنے سے قبل مقروض سے اپنا روپیہ وصول کرنے کی پوری کوشش کرے چاہے اُسے ایک مخصوص حد تک تشدد کرنا ہی کیوں نہ پڑے۔

یہ قانون اب بھی بعض ہندو ریاستوں میں رائج ہے کہ قرض خواہ مقروض کو اپنے مکان کے اندر قید کر دیتا ہے۔ اُسے بھوکا رکھتا ہے۔ دھوپ میں بٹھاتا ہے اور قرض کی ادائیگی کے لئے مجبور کرتا ہے۔

سود کی شرح برہمن کے لئے دو فی صدی اور شودر کے لئے پانچ فی صدی ماہوار تک تھی۔ جس شادی میں لڑکی کا باپ کوئی رقم وصول کرتا وہ شادی ممنوع تھی۔ (ہسٹورینس ہسٹری آف ورلڈ۔ جلد دوم ص۵۱۵ تا ص۵۱۸)

مستشرقین یورپ کے غلط ریمارک بعض مستشرقین یورپ کی منو شاستر کے بارے میں مندرجہ بالا اِس

رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ "ان کے ضابطہ فوجداری سے قدیم ہندوؤں کے متعلق دل پر اچھا اثر نہیں پڑتا اور وہ بہت سخت تھے"۔

جہاں تک قانون کی سختی کا تعلق ہے یہ اس دور کے قانون ہیں جن کو ہزارہا سال گذر چکے ہیں جب کہ بقول مستشرقین یورپ دنیا تہذیب ابتدائی حالت میں تھی اور یہ ہندوستان کا قدیم زمانہ تھا لیکن اسی قانون قدیم کے مقابلہ میں اس وقت جبکہ یورپ کی دنیا مہذب و متمدن ہونے کی دعویداری کر رہی تھی اور معراج ترقی و کمال پر پہنچ چکی تھی یعنی آغاز انیسویں صدی میں انگلستان کا قانونِ فوجداری دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ انتہائی بدترا ور بہیمانہ تھا اور صحیح معنی میں انگلستان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ تھا۔[۱] اس میں دوسو جرائم کی سزا موت تھی جس میں اکثر جرائم بہت معمولی نوعیت کے ہوتے تھے۔ کیا جیب کترنے، کسی ممنوع جگہ سے مچھلی پکڑنے، چھوٹے چھوٹے درخت کاٹنے، دھمکی آمیز خطوط لکھنے، خرگوش مارنے، پانچ شلنگ کی چیز چرانے اور جھوٹے دستخط بنانے پر یورپ میں مجرموں کو موت کے گھاٹ نہیں اتارا جاتا تھا؟ کیا ایک تیرہ سالہ بچے کو مکان میں داخل ہو کر چھہ چرانے کے الزام میں پھانسی کی سزا انگلستان کے ضابطہ فوجداری نے نہیں دلوائی تھی۔

جب ایسی صورت ہے تو مستشرقین یورپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عہدِ قدیم کے بزرگوں کو اپنے دل سے اتار دیں اور ان کے افعال سے برا اثر لیں۔ ہم اس دور کے اور اس کے بعد کے قانون داں بزرگوں کو سخت قوانین بنانے کا ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے۔ وہ دور ہی ایسا تھا۔ دنیا کو اسی طرح ترقی کرنی تھی اور

---

[۱] تاریخ انگلستان۔

اصول اصلاح کو اختیار کرنا تھا حیرت اور تعجب تو انگلستان کے انیسویں[19] صدی کے قانون فوجداری پر ہے جبکہ معلومات سائنس کی شعاعیں دنیا کے دماغوں کو منور کر چکی تھیں۔ اس وقت یہ اندھیر نگری تھی۔

عہد قدیم کا جیل خانہ جیل خانہ اس دور میں موجود تھا۔ چنانچہ متھرا کے راجہ کنس نے کرشن جی کے ماں اور باپ بسدیو[15] اور دیوکی کو اس خوف سے کہ ان کا لڑکا میری موت اور قتل کا باعث ہوگا قید خانہ میں ڈال دیا۔ جو بارہ[12] برس تک اسی جیل خانہ میں مقید رہے۔ بارہ[12] برس کی عمر میں کرشن جی نے اپنی طاقت وبہادری کے زور پر ان کو آزاد کرایا۔ جیل میں ہی کرشن کے باپ کے ہاں پانچ لڑکے ہوئے جن کو جیل سے منگوا کر راجہ کنس نے مروا دیا۔ جب جیل میں کرشن جی پیدا ہوئے تو ان کے ماں باپ کو اس بچہ کی جان کا فکر ہوا۔ بیوی نے انہیں گروکل لے جانے کا مشورہ دیا۔ باپ اس مشورہ پر عمل کرنے کے لئے غور ہی کر رہے تھے کہ غیبی امداد ہوئی۔ خود بخود بیڑی اور ہتھکڑی کھل گئی۔ نیز سب دروازے اور قفل کھل گئے، چوکی پہرے والے بیہوش نیند میں سو گئے۔ تب اُن کے باپ کرشن جی کو گروکل چھوڑ آئے اور جیل میں واپس آ گئے۔ جیل کے دروازے خود بخود اسی طرح بند ہو گئے۔ اور ہاتھ پاؤں میں اسی طرح بیڑی اور ہتھکڑیاں لگ گئیں[15]۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ برہمنی دور میں بیڑی اور ہتھکڑیوں کا وجود تھا اور مکان نما جیل خانے تھے جس میں قفل لگایا جاتا تھا۔ لیکن ایسے وسیع جیل خانے نہ تھے جیسے موجودہ زمانہ میں ہیں۔

پہاڑ کی کھوہ کی طرح کا جیل خانہ اس زمانہ میں زیادہ قیدیوں کو مقید کرنے کے لئے کوئی بڑا عمارتی جیل خانہ نہ تھا

---

[15] بھاگوت دسواں اسکندھ، ادھیائے پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پانچواں

چنانچہ جب راجہ جر سندھ نے بیس ہزار آٹھ سو راجہ قید کئے تو اس نے ان کو جیل خانہ میں نہیں بلکہ پہاڑ کی کھوہ کی طرح ایک گڑھا کھدوا کر اس میں بند کر دیا تھا۔ چنانچہ بھاگوت میں اس کا یوں ذکر ہے :-

جب جر سندھ مروا دیا گیا تو کرشن جی جہاں راجہ قید تھے وہاں گئے تو کیا دیکھا کہ ایک گڑھا پہاڑ کی کھوہ کی طرح کھود کر اس میں سب راجہ قید ہیں۔ ایک بھاری پتھر اس کے دروازہ پر رکھا ہے۔ جب راجوں کو کھوہ سے باہر نکلوایا تو وہ لوگ بیڑی اور ہتھکڑی پہنے اور بال اور ناخنوں کے بڑھنے سے بہت دکھی تھے۔ ان لوگوں کی بیڑی ہتھکڑی کٹوا کر حجامت بنوائی اور غسل کرایا[۵۱]

اس عہد میں یہ ضروری نہ تھا کہ ہر ایک راجہ کے ہاں جیل خانے ہوں اور وہ قیدیوں کو ان جیل خانوں میں بند کرے۔ اس عہد میں قیدیوں کو مکان میں ہی بند کیا جاتا تھا اور پولیس کا چوکی پہرہ بٹھا دیا جاتا تھا چنانچہ کرشن جی کے پوتے انرودھ کو ماناسر راجہ نے ایک مکان میں بیڑی ہتھکڑی لگا کر مقید کر دیا تھا۔[۵۲]

کنوئیں میں قید کرنا

مہاراجہ نند (قبل مسیح ۳۵۰) نے اپنے وزیر اعظم اشکٹار کو معہ اس کے خاندان کے خالی کنوئیں میں قید کر دیا تھا اور تمام خاندان کے کھانے کے لئے صرف سوا سیر ستو روزانہ دئے جاتے تھے وہ ستو خاندان کے افراد نہیں کھاتے تھے بلکہ بھوکے مر رہے تھے۔

چنگی ادا نہ کرنے پر پھانسی

چندر گپت موریہ (۳۲۵ قبل مسیح) کے دور میں چھوٹے چھوٹے جرموں پر ہاتھ، پاؤں، ناک،

---

۵۱ بھاگوت دسواں اسکندھ ادھیائے نمبر ۷۳   ۵۲ بھاگوت

کان کٹوا دئے جاتے تھے۔ اور کبھی کبھی سزائے موت تک بھی نوبت پہنچ جاتی تھی یوں جرمانے دینے پر بھی سزا سے معافی مل جاتی تھی۔ قتل کرنا۔ تالابوں کے پشتے توڑنا۔ سرکاری مال یا جائداد کو نقصان پہنچانا۔ نقب لگانا وغیرہ جرائم کے لئے پھانسی کی سزا دی جاتی تھی۔ نیز چنگی کا محصول ادا نہ کرنے والا بھی دار پر چڑھا دیا جاتا تھا بلکہ پراگندگی پھیلانا قابل سزا جرم سمجھا جاتا تھا[۵۱] تفتیش کرنے کے بعد اگر ملزم جرم کا اقبال کر لیتا تو اسے جیل بھیج دیا جاتا۔ سزائیں اٹھارہ قسم کی تھیں جس میں کوڑے مارنے بھی شامل تھے

موت کی سزا منسوخ

چندر گپت موریہ کا دور سخت سزاؤں کا دور تھا مگر اشوک (قبل مسیح ۲۷۲) نے نرمی اختیار کی۔ سال میں ایک دفعہ جیل خانے کھولے جاتے تھے اور قیدی رہا کر دئے جاتے تھے۔ شروع میں اشوک نے موت کی سزا منسوخ نہیں کی تھی مگر بعد میں اشوک نے اپنے تخت نشینی کے ستائیسویں[۲۷] سال میں موت کی سزا کو منسوخ کر دیا تھا اور قطع و برید اعضا بھی ممنوع قرار دے دئے تھے چنانچہ وہ اپنے فرمان میں جو کہ فیروز شاہ کوٹلہ کے نادر ستون کے کتبہ میں درج ہے۔ اس کا ذکر کرتا ہے:۔

> جو حدود مقررہ سے عدول کریں ان کیلئے جرمانیں اور سزائیں بھی ہیں۔ ارتکاب جرم کی نوعیت کے لحاظ سے سزا کی تعداد مقرر کی گئی ہے لیکن مرتکب جرم کو میں قتل نہ کروں گا جو بدکار قید اور قتل کے مرتکب ہوں گے میرے رحم سے قطع و برید اعضاء سے بچ جائیں گے وہ خیرات دیں گے اور ان کو روزہ کا کفارہ بھی دینا پڑیگا۔

دار الحکومت جلد دوم صفحہ ۹

---

[۵۱] حالات چندر گپت موریہ از میگستھنیز صفحہ ۵۵ تاریخ ہند ایچ جی راؤلنس۔

باغیوں کو قطع ید کی سزا

فا ہیان ایک چینی بدھ مذہب کا سیاح چندر گپت بکرماجیت کے عہد میں ہندوستان آیا تھا جس نے یہاں ۳۹۹ء سے ۴۱۴ء تک سفر کیا ہے وہ اپنے سفر میں ہندوستان کی اسوقت کی سزاؤں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

ارتکاب جرائم پر اکثر جرمانے ہوتے تھے۔ سزائے موت قانون میں تھی بادشاہ جسمانی سزا کسی کو نہ دیتا تھا حتیٰ کہ وہ لوگ جو بغاوت پھیلانے کے سزاوار ہوتے تھے صرف اتنی سزا پاتے کہ ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ جانور کی قربانی بہت کم ہوتی تھی۔ گوشت صرف ایک قوم چنڈال بیچتی تھی۔ جب وہ بازار میں نکلتے تو اپنے ہاتھ میں ڈنڈے بجاتے تھے تاکہ وہ کسی کو نہ چھو جائیں۔

اعضائے قطع و برید کا دوبارہ نفاذ

راجہ ہرش متوفی ۶۴۷ء کے قوانین گپت خاندان کے راجاؤں کے قواعد سے سخت تھے سزائیں سخت دی جاتی تھیں مگر موت کی سزا نہ دی جاتی تھی مگر معمولی جرائم پر ہاتھ پاؤں یا اعضائے جسمانی کاٹ دیے جاتے تھے۔ جرائم کا اقرار کرنے کے لئے تشدد کا استعمال جائز سمجھا جاتا تھا۔

برہمن قاتل کیلئے آہنی ڈھانچہ

راجہ چندرا پیڈ کے عہد حکومت میں ایک برہمن کی زوجہ دادخواہ ہو کر راجہ کے دربار میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا میرا شوہر قتل کیا گیا ہے لیکن قاتل کا نام و نشان معلوم نہیں ہے۔ راجہ نے سوال کیا کہ تجھ کو کسی شخص پر شبہ ہے یا نہیں عورت نے کہا

---

[۱] تاریخ ہند ایچ جی رالنسن =

میرا شوہر نیک خصلت تھا اور بظاہر اُس کا کوئی دشمن نہیں ہے۔ لیکن فلاں شخص سے میرے شوہر کے درمیان مسائل حکمت پر اکثر بحث ہوا کرتی تھی۔ یہ شخص راجہ کے حضور میں حاضر کیا گیا لیکن اس نے جرم سے قطعاً انکار کیا۔ مدعیہ آگ پانی کے حلفی فیصلہ پر راضی نہ ہوئی کہ شاید یہ شخص ایسی صورت میں افسوں و منتروں کا استعمال کر کے اپنے جرم سے بریت حاصل کرلے۔ راجہ نے عالم پریشانی میں کھانا پینا اور سونا اپنے اوپر حرام کرلیا۔ ایک روشن ضمیر فاضل نے راجہ کو خواب میں ایک منتر سکھایا اور یہ بتایا کہ چاول کے آٹے پر اس منتر کو پڑھ کر آٹے کو پھیلاؤ اور جس شخص پر جرم کا گمان ہو اس کو حکم دو کہ آٹے پر چلے۔ اگر اس آٹے پر دو اشخاص کے نقش قدم بن جائیں تو اُس چلنے والے کو بطور مجرم گرفتار کرلو۔ اس ترکیب پر عملدرآمد کیا گیا تو حقیقت کا پتہ چلا اور مجرم کو سزا دی گئی لیکن برہمن کو قتل کرنا جائز نہ تھا۔ اس لئے ایک آہنی انسانی ڈھانچہ بے سر کا بنایا گیا اس میں اس برہمن کو جکڑا گیا۔ اور پھر اس کی پیشانی کو داغا گیا۔

(آئین اکبری اول صفحہ ۱۰۹۱)

قلعہ میں قید کرنا

محمود غزنوی ۹۹۷ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ ہندوستان سے مال غنیمت کے علاوہ ہزاروں انسانوں کو قید کر کے لے جاتا تھا۔ اور ان سے غزنی میں عمدہ عمارتیں اور مسجدیں بنواتا تھا۔ اسی بادشاہ نے ۱۰۰۸ء میں باغیوں کو قلعہ میں مقید کیا چنانچہ سکھپال جس نے اس کی اطاعت سے انحراف کیا تھا اس کو محمود نے بلخ سے واپسی پر عمر بھر کیلئے قلعہ میں قید کر دیا۔[1]

عجیب و غریب قید خانہ

جب محمود غزنوی نے نہر والے کے قلعہ کھنڈ کو جو سومنات سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہے فتح

---

[1] منتاح التاریخ حصہ اول صفحہ ۲۷

کرلیا اور اس کا راجہ پرم دیو فرار ہو گیا تو محمود نے اپنے درباریوں سے مشورہ کرنے کے بعد باشندگان سومناتھ کا مشورہ لے کر وابشلیم مرتاض کو بلایا اور نہروالے کی حکومت اس کے سپرد کی۔ وابشلیم نے سالانہ خراج کی رقم مقرر کرنے کے بعد محمود سے کہا کہ فلاں وابشلیم جو میرا ابن قوم ہے۔ میرا جانی دشمن ہے۔ جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ مجھے نہروالا کا راجہ بنا کر آپ اپنے ملک کو واپس ہو گئے تو وہ مجھے کمزور سمجھ کر ضرور مجھ پر لشکر کشی کرے گا۔ اور چونکہ ابھی میری حکومت کو استقلال اور قوت حاصل نہیں ہوئی وہ ضرور مجھ پر غالب آجائے گا۔ اگر بادشاہ مجھ پر اتنی عنایت فرمائیں تو میں اس کے شکرانے میں کابل اور زابل کے خراج کی دوگنی مقدار ہر سال سلطانی خزانہ میں داخل کرتا رہوں گا۔

محمود نے وابشلیم کے ملک پر حملہ کیا، فتح پائی اور وابشلیم کو زندہ قید کر کے وابشلیم مرتاض کے سپرد کیا۔ وابشلیم مرتاض نے محمود سے کہا کہ ہمارے مذہب میں بادشاہ کو قتل کرنا ناجائز ہے بلکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جب ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر فتح حاصل کر لے تو اسے گرفتار کر لیتا ہے تو فاتح اپنے تخت کے نیچے ایک تنگ و تاریک گھر بنوا کر مفتوح بادشاہ کو اس میں قید رکھتا ہے۔ اس گھر کی دیوار میں ایک سوراخ کر دیا جاتا ہے اور اس سوراخ سے اس قیدی کو روٹی اور پانی پہنچاتے ہیں۔ اور یہ قید اس وقت تک قائم رہتی ہے۔ جب تک فاتح اور مفتوح دونوں میں سے کسی ایک کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ چونکہ میرے پاس کوئی ایسا قید خانہ نہیں ہے اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے کہ دشمن کو اس طرح رکھ کر اس کی حفاظت کروں اور نیز اس کو اپنے پاس رکھنے کی صورت میں مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ آپ کے چلے جانے کے بعد

کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کے بہی خواہ مجھ پر حملہ کر کے اس کو میرے ہاتھ سے چھین لیں۔ اس لئے میری یہ التجا ہے کہ اس قیدی کو بجائے میرے پاس چھوڑنے کے آپ اسے اپنے ہمراہ غزنی لے جائیں اور جس وقت میری حکومت یہاں مضبوط ہو جائے اور میں کسی شخص کو بارگاہ سلطانی میں بھیجوں اس وقت میرا قیدی میرے حوالہ کیا جائے۔ چنانچہ محمود اس قیدی کو غزنی لے گیا۔ جب دابشلیم مرتاض نے اپنی حکومت سومنات کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لیا تو اس نے چند برس کے بعد قاصد کو محمود کی خدمت میں روانہ کیا اور دابشلیم قیدی کو طلب کیا۔ اس قیدی کو قاصد کے سپرد کیا اور قاصد اُسے کشاں کشاں حدودِ سومنات تک لائے اور دابشلیم مرتاض کو آنے کی اطلاع دی۔ اس راجہ نے قیدی کے آنے کے بعد اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ مقررہ زندان تیار کیا جائے۔ اور قاعدہ کے مطابق وہ خود اس کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ جب دابشلیم اس قیدی کے لینے کے لئے بڑھا۔ تاکہ ایک طشت اور ایک لوٹا اس قیدی کے سر پر رکھ کر اپنے گھوڑے کے ساتھ اُسے دوڑاتا ہوا لے آئے۔ اور اسی حالت میں قید خانہ تک پہنچ جائے۔

اثنائے راہ میں دابشلیم ایک مقام پر ٹھہر گیا۔ اور سیر و شکار میں مشغول ہو گیا۔ شکار کی فکر میں اس نے اتنی دوا دوش کی کہ آفتاب کی تمازت سے پریشان ہو کر ایک درخت کے نیچے دم لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ چونکہ شکار کی دوڑ دھوپ سے دابشلیم خستہ ہو رہا تھا اس درخت کے نیچے لیٹا اور ایک سُرخ رومال اپنے چہرہ پر ڈال لیا۔ اسی حالت میں قضائے الٰہی نے اس کی تقدیر کا پانسہ پلٹا اور ایک سخت جنگلی جانور اُس سرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا خیال کر کے نیچے اُترا اور ایسا چنگل رومال پر مارا کہ جانور کے ناخن دابشلیم مرتاض کی آنکھوں میں گھس گئے اور آنکھیں جاتی رہیں۔ چونکہ اُس زمانہ میں ہندوؤں میں

رواج تھا کہ کسی ساقط العضو آدمی کو اپنا فرمانروا تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس لیے لشکر میں ایک شور برپا ہو گیا۔ اور ہر شخص نے وانشلیم مرتاض کی اطاعت سے انکار کیا اسی ہنگامہ میں قیدی بھی پہنچ گیا۔ اور چونکہ وانشلیم مرتاض کے بعد سوائے اس قیدی کے اور کوئی راجہ مستحق سلطنت نہ تھا۔ تمام ارکان دولت نے بالاتفاق اس قیدی کے سر پر فرمانروائی کا تاج رکھا۔ اور مرتاض کے سر پر وہی طشت اور لوٹا رکھ کر اسے قیدی کی طرح گھوڑے کے ساتھ دوڑاتے ہوئے زندان تک لائے اور نظر بند کر دیا۔

بے چارہ وانشلیم مرتاض خون کے آنسو روتا ہوا قید خانہ میں داخل ہوا اور اپنی قسمت پر تمام عمر روتا رہا۔ تاریخ فرشتہ اوّل ص ۱۱۱ تا ۱۱۵

شہاب الدین کا جیل خانہ

شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۸۶ء میں خاندان سبکتگین کو معدوم کیا۔ اور اپنے دور میں باغیوں کو قلعہ غرجستان میں مقید کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ خسرو ملک جو خاندان سبکتگین کا آخری بادشاہ ہوا ہے معہ خاندان کے قلعہ غرجستان میں بند کر دیا گیا۔ جہاں برسوں کے بعد وہ قتل کر دیئے گئے۔[1]

حجرے میں بند کرنا

۱۲۳۷ء میں قلعہ رائے پتھورا کے بدایونی دروازے کے سامنے فصیل میں جہاں حجرے بنے ہوئے تھے وہاں شرابیوں کو بند کیا جاتا تھا[2]

کوڑوں کی سزا

غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶ء) کا دور عادلانہ اور منصفانہ دور تھا۔ اس کے عہد میں اَوَدھ کے صوبیدار ہیبت خان نے شراب کے نشہ میں کسی غریب کو اڑا دیا تو اس کی عورت نے نالش کی۔ بادشاہ نے

---

[1] مفتاح التاریخ۔ [2] دار الحکومت جلد دوم۔

پانسو کوڑے لگوا کر اس کو عورت کے حوالہ کیا۔ اور کہہ دیا کہ آج تک یہ ہمارا غلام تھا۔ اب تیرا ہوا۔ ہیبت خاں نے بڑی سفارشوں کے ساتھ بیس ہزار روپیہ دے کر اس عورت کی غلامی سے آزادی پائی[۵۱]

چوروں کی سزا لعبور دریائے شور

جلال الدین فیروز شاہ خلجی (۱۲۸۸ء) انتہائی رحمدل اور درگذر کرنے کا عادی بادشاہ تھا۔ اس کی نرمی کا حال حضرت امیر خسرو نے تاریخ علائی میں لکھا ہے کہ اس کے دور میں چوروں سے محض قسم ترک پیشہ لی جاتی تھی۔ جو چور قسم کھا لیتا تھا اس کو چھوڑ دیا جاتا تھا ایک مرتبہ ایک ہزار ٹھگ جہاز میں براہ نرمی بنگالہ بھیج دیئے گئے۔ گویا یہ ان کی سزا دوام حبس بہ عبور دریائے شور تھی[۵۲]۔

دودھ پیتے بچوں کا قتل

علاؤالدین خلجی (۱۲۹۵ء) کی فوج نے گجرات کی فتح کے بعد بلوہ کیا اور فوج کے آدمی بھاگ گئے تو بادشاہ نے ان کے دودھ پیتے بچوں کو اور ان کی ماں اور بہنوں کو مروا ڈالا، اور ان کی عورتوں کو خراب کرنے کیلئے نوکروں کے حوالہ کیا۔ مغلوں نے بغاوت کی تو نوسو (۹۰۰) مغلوں کو ہاتھیوں کے پیروں سے کچلوا کر ان کے گلوں کو چھری سے اڑا کر مروا ڈالا نیز ان کے بچوں اور عورتوں کی بھی جان بخشی نہیں ہوئی[۵۳]۔

اسی بادشاہ کے دور میں قلعہ گوالیار میں باغیوں کو قید کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے لڑکے خضر خاں کو اپنے باغی ماموں کے قتل ہونے سے غمگین ہونے پر قلعہ گوالیار میں بند ہونے کا حکم دیا۔ جس پر خضر خاں کو گوالیار لے جا کر کوتوال اور محافظین قلعہ کے سپرد کیا۔ انہوں نے اس کو قلعہ میں بند

---

۵۱ مفتاح التاریخ ۵۲ مفتاح التاریخ ۵۳ ابن بطوطہ جلد دوم۔

کر دیا۔ موت کے وقت بادشاہ نے اُس کو ولی عہد مقرر کرنے کیلئے رہا کرنے کا حکم دیا۔[له]

شرابیوں کیلئے کنوئیں کا قیدخانہ

علاؤالدین خلجی نے شراب پینے پر سخت پابندی لگا رکھی تھی لیکن اس کے باوجود ایک گروہ شراب پیتا تھا۔ اُن کو قید و ذلت کی پرواہ نہ تھی اور بادہ پرستی میں بالکل منہمک و مستغرق تھا۔ بادشاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ بدایوں دروازہ کے پاس جو شارع عام پر واقع ہے ایک کنواں کھودا جائے اور یہی چاہ مذلت اُن نافرمان بادہ خواروں کا قیدخانہ قرار دیا جائے۔ اسی چاہ مذلت کے قیدی اکثر تو حالت قید میں دنیا سے رخصت ہو جاتے تھے اور جو زندہ درگور اُس قید سے نجات پاتے تو وہ برسوں علاج معالجہ کے بعد صحیح و تندرست ہوتے تھے۔[له]

مقررہ نرخ سے کم بیچنے پر ناک کان کاٹنے کی سزا

علاؤالدین خلجی نے غلہ، کپڑے، گھوڑے لونڈی، غلام اور مایحتاج کی دوسری چیزوں کی قیمتوں پر نرخ مقرر کر دیے تھے۔ اگر شاہی مقررہ نرخ میں کوئی فرق معلوم ہوتا تو بیچنے والوں کو سزا دی جاتی تھی۔ اس جرم کے مجرم آدمی یہ سزا پاتے تھے کہ اُن کے کان یا ناک کاٹ ڈالی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک دوکاندار کو باٹ سے کم تولنے پر یہ سزا ملی کہ اُس کے جسم سے اُسی قدر گوشت کٹوا لیا جس قدر اُس نے کم تولا تھا۔[له]

رنڈیوں کی فیس کا تقرر

ملحقات کا مصنف لکھتا ہے کہ ایک رنگین مزاج شاہی درباری نے ایک دن بادشاہ کو خوش دیکھ کر اس سے عرض کیا کہ تمام ضروریات زندگی کا تو نرخ مقرر کر دیا گیا لیکن جو چیز سب سے

له ابن بطوطہ جلد دوم ۵۲ تاریخ فرشتہ ۵۳ تاریخ فرشتہ ۱۱۵ مفتاح التاریخ

زیادہ ضروری ہے اب تک بادشاہ کی قدردانی سے محروم ہے۔ علاؤ الدین نے اس چیز کا نام پوچھا۔ امیر نے دست بستہ عرض کیا کہ زنانِ بازاری جن کی وجہ سے ملک کے نوجوان اور لشکر کے سپاہی تباہ اور خراب ہو رہے ہیں اب تک اسی طرح مطلق العنان ہیں اور ان کا کوئی نرخ مقرر نہیں کیا گیا۔ بادشاہ ہنسا اور کہا۔ اچھا میں تمہاری خاطر ان کی بھی خبر لیتا ہوں۔ علاؤ الدین خلجی نے فوراً امیر بازار اور کوتوال شہر کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ کسبیوں اور سازندوں کو فوراً آگاہ کر دو کہ شاہی مقرر کردہ نرخ سے زیادہ روپیہ چھوں کو بھی طمع نہ کریں ورنہ سخت سے سخت سزا پائیں گے۔ بادشاہ نے اس طائفہ کو بھی صورت و شکل اور کمالات رقص و سرود کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا اور اعلیٰ، متوسط، اور ادنیٰ ہر قسم کی اجرت مقرر کی[1]

انسانی کھوپریوں کا برج

۷۰۴ھ میں چنگیز خاں کے نواسے اور خواجہ پتر مال نے باہم مل کر چالیس ہزار سوار وں کی جمعیت سے ہندوستان پر دھاوا بولا۔ مغلوں نے کوہ سوالک پر قبضہ کر کے امروہہ تک سارا ملک جی کھول کر لوٹا۔ اور فسق و فجور کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ بادشاہ علاؤ الدین خلجی نے غازی ملک اور ملک نائب کو اُن کی سرکوبی کے لئے بھیجا جہاں حلقہ امروہہ میں اُنہوں نے مغلوں کو شکست دی، علی بیگ اور خواجہ پتر مال زندہ اسیر ہوئے ملک نائب اور غازی ملک بیس ہزار گھوڑے مالِ غنیمت اور قیدیوں کے پابہ زنجیر گروہ کو ساتھ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے مالِ غنیمت امیروں میں تقسیم کیا اور حکم دیا کہ شہر ی برج جو نئے تعمیر ہوئے ہیں اُنہیں پتھر اور اینٹوں کے بجائے آٹھ ہزار مقتول مغلوں کے سروں سے کام لیا جائے۔ چنانچہ کام لیا گیا اور مقتولین کے سروں کا برج تعمیر کرایا گیا۔[2]

---

[1] تاریخ فرشتہ اول صفحہ ۳۸۹ [2] ایضاً ۳۹۲۔

علاؤالدین کا پہلا جیل خانہ

گوالیار کے قلعہ سے پہلے علاؤالدین ہانسی کے قلعہ میں باغیوں کو قید کرتا تھا چنانچہ جلال الدین کے دونوں بیٹوں کو اس کے کوتوال ملک نصرت نے ہانسی کے قلعہ میں نظر بند کیا تھا۔

گوالیار کے قلعہ کے قیدی

علاؤالدین خلجی فوت ہو گیا تو شہاب الدین کافور کی کوششوں سے تخت پر بیٹھ گیا کافور نے اس کے دونوں بھائی شادی خاں اور ابوبکر خاں کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اور ان کو بھی گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اس کے بعد قطب الدین اور خضر خاں کو بھی گوالیار کے قلعہ میں نبد کیا گیا[۱]۔ تب قدرت نے کافور سے بدلہ لیا۔ اس کو دو غلاموں نے مار کر اس کا سر قید خانہ گوالیار میں قطب الدین کے پاس پہنچایا اور قطب الدین کو رہا کرا لائے۔

ستر ہزار قیدیوں کی رہائی

قطب الدین کچھ دنوں اپنے بھائی شہاب الدین کے نائب کے طور پر کام کرتا رہا لیکن پھر اس کو تخت سے علیحدہ کر کے آپ بادشاہ ہو گیا اور شہاب الدین کی انگلیاں کاٹ کر اس کو بھی اور بھائیوں کے پاس گوالیار کے قلعہ میں مقید کر دیا[۲]۔ مگر خود قید میں رہنے کی وجہ سے اس کو قیدیوں کے ساتھ شروع زمانہ میں ہمدردی ہو گئی تھی چنانچہ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی اس نے حکم دیا کہ ستر ہزار قیدی رہا کر دئے جائیں[۳]۔

قید خانہ قلعہ گوالیار کے محافظین کی تعداد

کچھ دنوں کے بعد قطب الدین نے ایک امیر ملک شاہ کو گوالیار کی

۱۔ ضیاءالدین برنی ۲۔ بطوطہ جلد دوم ۳۔ فرشتہ اول ص ۲۱۶۔

طرف بھیجا اور حکم دیا کہ خضر خاں اور اس کے بھائیوں کو قتل کر ڈالو، امیر گوالیار پہنچا تو محافظان قلعہ کو جو تین سو اشخاص تھے اُن کو قاضی ابن بطوطہ اور گواہوں کو طلب کیا۔ بادشاہ کا حکم پڑھ کر سُنایا۔ پھر شہاب الدین شادی خاں اور ابوبکر اور خضر خاں کو مار ڈالا۔[۱]

گائے کو ذبح کرنیکی سزا قطب الدین کے بعد خسرو خاں جو نومسلم تھا بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے چاہا کہ گائے ذبح نہ ہونے پائے اور جو ذبح کرے اُس کو گائے کی کھال میں سلوا کر جلا دیا جائے۔ یہ سزا ہندوؤں میں اس وقت رائج تھی۔ اور گم ہولا میں راجہ بھوانی کا بھاؤ اس سزا کو دیا کرتا تھا اس کا نفاذ خسرو خاں نے مسلمانوں پر بھی چاہا تو لوگ اس سے متنفر ہو گئے اور تغلق بادشاہ بن بیٹھا۔[۲]

مسلمان بادشاہوں کا جیل خانہ سلطان شمس الدین التمش کے دور میں باغیوں کو بدایوں کے قلعہ میں نظر بند کیا جاتا تھا۔ چنانچہ سلطان تاج الدین کو ملید وزر اور پنجاب پر قبضہ کرنے کے الزام میں بدایوں کے قلعہ میں نظر بند کیا۔[۳] لیکن جب گوالیار کا قلعہ التمش نے ۱۲۳۲ء میں فتح کیا تو اس وقت سے یہ قلعہ ۱۳۹۸ء تک مسلمان بادشاہوں کے قبضہ میں رہا اور اکثر بادشاہ اس کو قید خانہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔[۴] چنانچہ محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں اس کے وزیر خواجہ نے امیر حلاج کی بغاوت کے سلسلہ میں لاہور کے باغیوں کی تین سو عورتوں کو گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا تھا۔ جہاں ان کو مقید کیا گیا۔

جیل کی اولاد اس عہد میں معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں پر سخت نگرانی نہیں تھی۔

---

[۱] ابن بطوطہ جلد دوم ص۵۰ [۲] ایضاً ص۳۵ [۳] فرشتہ اول ص۲۴ [۴] حاشیہ ابن بطوطہ مولوی محمد حسین مترجم اردو

قیدیوں کے رشتہ داران سے عام طور پر جیل خانہ میں مل لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اُن تین سو عورتوں کے ساتھ گوالیار کے قلعہ میں ایک فقیہ کی عورت بھی تھی۔ یہ فقیہ اپنی عورت کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ قید خانہ میں اُس کے بچہ بھی پیدا ہو گیا۔

چوہے کے غاروں کا قید خانہ

قلعہ گوالیار کے علاوہ محمد شاہ تغلق کے دور میں اور مقامات بھی ایسے تھے جہاں قیدیوں کو مقید کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بڑے بڑے مجرم قیدیوں کے لیے دارالخلافہ دولت آباد کا قلعہ دوگیر تھا اس میں خطرناک غار بنے ہوتے تھے اور اُن غاروں میں بڑے بڑے چوہے تھے۔ جن سے بلی بھی ڈرتی تھی اور بغیر حیلہ کے ان کا شکار نہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ ان غاروں کے بارے میں ملک خاں افغان نے ابن بطوطہ کو بتایا کہ وہ ایک دفعہ اُس قلعہ کے ایک غار میں قید کیا گیا جس کو چوہوں کا غار کہتے ہیں۔ رات کو وہ جمع ہو کر مجھ پر حملہ کرتے تھے اور میں تمام رات ان کے ساتھ لڑتا رہتا تھا۔ ایک رات میں سو رہا تھا کسی نے خواب میں کہا کہ تو سورۂ اخلاص ایک لاکھ دفعہ پڑھ لے خدائے تعالیٰ تجھے خلاصی دے گا میں نے سورۂ اخلاص اتنی بار ختم کی تو میری خلاصی کا حکم آگیا۔ اور میری خلاصی کا یہ سبب ہوا کہ میرے برابر کے غار میں ملک مل قید تھا وہ بیمار ہو گیا تو چوہے اس کی انگلیاں اور آنکھیں کھا گئے۔ وہ مر گیا۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو بادشاہ نے کہا خطاب کو نکال دو کہیں اُس کو بھی چوہے نہ کھا جائیں۔

شرابیوں کو تہ خانہ میں بند کرنا

اسی طرح تہ خانہ میں شرابیوں کو اسّی دُرّے لگا کر بند کیا جاتا تھا۔ اور تین دن تک وہیں اُن کو رکھا جاتا تھا جن کو کھانے کے سوا کسی وقت نہ کھولتے تھے۔

قیدیوں کی دیکھ بھال

ان قید خانوں کے علاوہ ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں ایک جیل خانہ تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ بادشاہ جمعہ کے سوا ہر روز کل قیدیوں کو دیوان خانہ میں بلاتا تھا۔ دیوان خانہ شاہی محل کے دوسرے دروازہ کے اندر تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جیل خانہ دہلی میں ہی ہوگا۔ جس سے روزانہ قیدی دیوان خانہ میں آجا سکتے تھے۔ جس سے بادشاہ قیدیوں کی دیکھ بھال اچھی طرح کر سکتا تھا۔ اور اُن کی حالت سے ہر روز واقف ہوجاتا تھا۔

قیدیوں کی چھٹی

جمعہ کے روز قیدیوں کو غسل کرنے، دھونے دھلانے اور آرام کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اس روز بادشاہ دیوان خانہ میں قیدیوں کو نہیں بلاتا تھا۔ اُس دن قیدی چھٹی مناتے تھے۔[اھ]

قیدیوں سے بھیک منگوانا

قیدیوں سے اُس زمانہ میں بھیک بھی منگوائی جاتی تھی چنانچہ بادشاہ نے شمس الدین ابن تاج العارفین کو اور کوئل کے قاضی اور محتسب کو اس جرم میں کہ وہ بادشاہ کے مخالف کی حمایت میں کچھ بول چکے تھے قید کر دیا گیا۔ اور قاضی اور محتسب کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اور اس کے بعد ان کو ہر روز بھیک منگوانے کے واسطے قید خانہ سے باہر لاتے۔ پھر قید خانہ میں لے جاکر بند کر دیتے تھے۔[۵۲]

دُرّے کی سزا

اس زمانہ میں دُرّے لگانے کی سزا عام تھی۔ چنانچہ خواجہ امیر علی تبریزی کو بادشاہ نے اس جرم میں کہ اس نے ملک الخبار کے بیٹے کو جس کو بادشاہ نے بغاوت کے سلسلہ میں قتل کیا تھا اس کو قتل کا مستحق نہ سمجھا، گرفتار کرایا۔ اور دو سو دُرّے لگا کر چھ ماہ قید میں رکھا اسی طرح بادشاہ نے

---

[۵۱] ابن بطوطہ جلد دوم [۵۲] ایضاً۔

شرف الملک کے بیٹے کے روزانہ سو دُرّے لگوائے[51]

قیدیوں کے چالان کا طریقہ

پیدلوں کی ڈاک جس طرح بھیجی جاتی تھی اسی طرح سنگین مجرموں کا چالان بھی کیا جاتا تھا

پیدلوں کی ڈاک ہرکارے لے جاتے تھے۔ ہر ایک ہرکارے کے پاس ایک چھڑی دو گز لمبی ہوتی تھی جس کے سر پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوئے ہوتے تھے۔ جب شہر کی ڈاک چلتی تو وہ لفافہ پر ایک ہاتھ رکھ لیتا اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی لے کر طاقت خرچ کرکے دوڑتا۔ ایک میل میں تین چوکیاں ہرکاروں کی ہوتیں۔ دوسرا ہرکارہ اس گھنگرو کی آواز سن کر تیار ہو جاتا اور لفافہ لے کر دوڑتا۔ اس طرح جہاں کہیں خط بھیجنا ہوتا پہنچا دیتے۔ اور اسی طرح کبھی کبھی سنگین مجرموں کو بھی چارپائی پر لٹا کر چوکی بہ چوکی ہرکارے لے جاتے تھے۔[52]

انصاف کا دور دورہ

اس زمانہ میں عدل و انصاف انتہائی عروج پر تھا۔ بادشاہ محمد شاہ ہفتہ میں دو دفعہ پیر اور جمعرات کے دن انصاف رسانی کی غرض سے دیوان خانہ کے سامنے ایک میدان میں بیٹھتا تھا۔ اور اس روز اس کے سامنے فقط امیر حاجب، خاص حاجب، اور سید الحجاب اور شرف الحجاب چار شخص ہوتے اور سب کو عام اجازت تھی کہ جس کسی کو کسی کی شکایت کرنی ہو عرض کرے۔ چار امیروں کو چار دروازوں پر مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ مستغیثوں کی شکایتیں قلم بند کریں اور ان میں سے چوتھا ملک فیروز شاہ کا چچازاد بھائی تھا۔ اگر پہلے دروازہ والا اس کی شکایت لکھتا تھا تو فبہا ورنہ وہ دوسرے دروازے والے کے پاس جاتا تھا۔ اگر وہ بھی نہ لکھتا تو تیسرے اور چوتھے دروازے

---

[51] ابن بطوطہ [52] ایضاً۔

والے کے پاس، اگر وہ بھی انکار کرتا تو صدر جہاں قاضی القضاۃ کے پاس جاتا تھا۔ اگر وہ بھی نہ لکھتا تو بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت ہوتی تھی۔ اگر بادشاہ کو یقین ہو جاتا کہ ان میں سے کسی کے پاس وہ گیا تھا اور اُنہوں نے اُس کی شکایت نہیں لکھی تو اُن کو ڈانٹتا تھا یہ سب تحریریں بادشاہ عشاء کے بعد خود مطالعہ کیا کرتا تھا۔[۱]

بادشاہ بطور قاتل

ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اُس کے بھائی کو بلا سبب مار ڈالا۔ بادشاہ بغیر کسی ہتھیار کے پیدل قاضی کے محکمہ میں گیا اور وہاں جاکر سلام و تعظیم کی۔ اور قاضی کو پہلے حکم دے دیا تھا کہ جب میں آؤں تو قاضی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہو۔ اور کسی طرح کی حرکت نہ کرے۔ بادشاہ محکمہ میں گیا۔ اور قاضی کے سامنے کھڑا ہوا۔ قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کرے ورنہ قصاص کا حکم ہوگا۔ بادشاہ نے اس کو راضی کر لیا اسی طرح ایک دفعہ کسی مسلمان نے اس پر کچھ مال کا دعویٰ کیا۔ جھگڑا قاضی کے سامنے پیش ہوا۔ قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ اس کا مال دے دے۔ بادشاہ نے اس کا مال دے دیا۔[۲]

بادشاہ کے بینتیں لگیں

ایک مرتبہ محمد شاہ سر جھکائے باغ میں ٹہل رہا تھا ایک لڑکا سامنے سے بھاگتا ہوا آیا۔ اور بادشاہ سے ٹکرا گیا۔ محمد شاہ تغلق غصہ ور بہت تھا۔ اُس نے لڑکے کے چند چھڑیاں ماریں لڑکا بھی ایک ہی چلتا پرزہ تھا۔ روتا ہوا عدالت میں پہنچا اور بادشاہ کے خلاف استغاثہ دائر کیا۔ قاضی القضاۃ نے شہزادہ مبارک خاں کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کو عدالت میں حاضر کرے۔ محمد شاہ تغلق ایک معمولی ملزم کی طرح شہزادہ مبارک خاں کے سپاہیوں کی حراست میں حاضر عدالت کر دیا گیا۔ قاضی القضاۃ نے اُس سے پوچھا۔ تم نے

---

[۱] ابن بطوطہ جلد دوم ص۵ [۲] ایضاً۔

اس لڑکے کو چھڑی سے مارا ہے؟

بادشاہ نے جواب اثبات میں دیا۔

اس لڑکے نے تمہاری کوئی خطا کی تھی؟

نہیں! باغ میں دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے ٹکرا گیا۔ اس نے مجھے دیکھا نہیں تھا۔

پھر تم نے کیوں زدوکوب کیا؟

میری غلطی۔

قاضی القضاۃ نے حکم دیا کہ تمہیں ایک دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ کل تک اس لڑکے کو رضامند کر لو ورنہ قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ۔

بادشاہ نے بہت کچھ زر و مال دے کر مستغیث لڑکے کو خوش کرنا چاہا مگر وہ بھی ایک ہی ضدی تھا کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ یہی کہتا رہا کہ میں بادشاہ سے انتقام لوں گا

دوسرے دن قاضی القضاۃ اور شہزادہ مبارک خاں کی موجودگی میں محمد شاہ تغلق بھرے دربار میں کپڑے اُتار کر تخت سے نیچے اُتر آیا۔ وہی چھڑی جس سے بادشاہ نے لڑکے کو مارا تھا۔ قاضی القضاۃ نے لڑکے کے ہاتھ میں دی اور اسے حکم دیا کہ بادشاہ نے جتنی قوت سے جتنی چھڑیاں لڑکے کے ماری تھیں اُتنی ہی قوت اور اُتنی ہی تعداد میں لڑکا بادشاہ کے جسم پر چھڑیاں مارے۔ چنانچہ اُس لڑکے نے عام امراء سلطنت کے سامنے محمد شاہ تغلق کے اکیس بید مارے۔ دوران سزا میں ایک مرتبہ بادشاہ کے سر سے ٹوپی بھی گر پڑی۔ سزا کے بعد بادشاہ نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی کہ خداوند کریم نے اُسے جادہ انصاف پر ثابت قدم رکھا۔ اور دنیا میں اس سے جو غلطی ہوئی تھی، اسکی سزا اسکو دنیا میں مل گئی[۵۱]

---

[۵۱] تاریخ مبارک شاہ۔

نماز نہ پڑھنے پر سزا

یہ بادشاہ نماز کے معاملہ میں بہت تاکید کرتا تھا جو نماز نہ پڑھتا تھا اُس کو سزا دی جاتی تھی - ایک روز اُس نے نماز نہ پڑھنے کے جرم میں نو آدمی قتل کر ڈالے تھے اُن میں سے ایک ڈوم بھی تھا - اسی طرح ایک معتزز امیر کے سر بازار نماز نہ پڑھنے کے جرم میں تیس دُرّے لگوائے کہ وہ مغرب کے وقت سڑک سے گذر رہا تھا - اور اذان کی آواز سُن کر مسجد میں داخل نہیں ہوا تھا بادشاہ کا حکم تھا کہ اذان کی آواز سُنکر دوکاندار اپنی دوکانوں کو اسی طرح کھلی چھوڑ کر نماز پڑھنے چلے جائیں - نماز کے وقت زیادہ ہندو سپاہی سڑکوں پر پہرہ دیتے تھے -

مغرور مولوی کی ڈاڑھی نوچنا

بادشاہ کی طرف سے دیہات میں تنخواہ دار مولوی گشت کر کے لوگوں کو دینی مسائل بتاتے تھے - شاہی ملازمین راہ چلتے مسلمانوں کو ٹوک کر اُن سے مذہبی سوالات کرتے تھے اور اگر کوئی شخص جواب نہ دے سکتا تو اسے سزا ملتی تھی - ایک مرتبہ شاہی ملازموں نے ایک شخص سے شرعی مسائل دریافت کئے وہ جواب نہ دے سکا - وجہ پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ محلہ میں جو مولوی ہے وہ لوگوں کو مذہبی مسائل بتانے سے بخل کرتا ہے اور جب اہل محلہ اُس کے پاس جاتے ہیں تو انہیں جھڑک کر بھگا دیتا ہے - شاہی ملازم اُسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لائے - بادشاہ نے تحقیقات کا حکم دیا تحقیقات پر اس شخص کا بیان صحیح ثابت ہوا - محمد شاہ تغلق نے حکم دیا کہ اہل محلہ اس مغرور مولوی کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال نوچ ڈالیں[۱]ؔ -

عام سخاوت

مصنف مسالک الابصار شیخ مبارک کی زبانی لکھتا ہے کہ بادشاہ ہر روز دو اجلاس کرتے ہیں - ایک صبح کو دوسرا شام کو

---

[۱] ابن بطوطہ جلد دوم ۲۵ تاریخ مبارک شاہی -

اجلاس کے ختم ہونے کے بعد عام دستر خوان بچھاتے ہیں اس پر بیس ہزار کے قریب لوگ کھانا کھاتے ہیں۔ بادشاہ کے ساتھ خاص دستر خوان پر دو سو آدمی جو عالم فاضل ہوتے ہیں کھانا کھاتے ہیں۔ اور اس وقت علمی گفتگو ہوتی ہے۔ شیخ ابوبکر بن خلال بزری کی زبانی اسی مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے بادشاہی میر ساماں سے دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ باورچی خانہ کے لئے ڈھائی ہزار بیل اور دو ہزار بکریاں ہر روز ذبح ہوتے ہیں۔

قتل گاہ محمد شاہ بادشاہ نے قتل گاہ شاہی محل کے پہلے دروازہ میں بنا رکھی تھی۔ جہاں جلاد بیٹھے رہا کرتے تھے۔ جب بادشاہ کسی کے مارنے کا حکم دیتا تو وہ محل ہزار ستون کے سامنے مارے جاتے تھے اور اُن کا سر دروازہ کے باہر تین دن تک لٹکایا جاتا تھا۔

یہ بادشاہ مفسد، منافق اور شریر باغیوں کی بیخ کنی اور سرکوبی کے لئے مستعد رہتا تھا چنانچہ دیوان خانہ میں ہر روز سینکڑوں آدمی جولان پہنے حاضر ہوتے تھے۔ جہاں بعض قتل ہوتے بعض کو عذاب دیا جاتا اور بعض سے ساتھ مار پیٹ کی جاتی اور بعض کو ہاتھیوں سے مروا دیا جاتا تھا۔[1]

عذاب دینے کے طریقے بادشاہ نے دو مولویوں کو بدنیتی کے الزام میں شہزادہ نہاوندی کے پاس بھیجا۔ یہ شخص لوگوں کو عذاب دینے کے لئے مقرر تھا۔ اُس نے مولویوں کو سمجھایا کہ بادشاہ تم کو قتل کرنا چاہتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے اُس کا اقبال کرو۔ اور اپنی جانوں کو عذاب سے بچاؤ۔ انہوں نے جرم سے انکار کیا تب شہزادہ نہاوندی نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ اُن کو

---

[1] ابن بطوطہ جلد دوم۔

کچھ عذاب کا مزہ چکھاؤ۔ چنانچہ وہ چت لٹائے گئے اور اُن کے سینہ پر ایک گرم لوہے کی سل رکھی گئی۔ پھر وہ سل اٹھالی گئی تو تمام سینے کا گوشت اس کے ساتھ آیا۔ پھر زخموں پر پیشاب اور راکھ ملا کر ڈالی گئی۔ اُس وقت انہوں نے جرم کا اقبال کیا۔ مفتی کے فیصلے کے مطابق اُن کو قتل کر دیا گیا۔[۱]

ہاتھیوں سے رَوندنے کا طریقہ

اُن ہاتھیوں کے دانتوں پر جن سے آدمیوں کے مارنے کا کام لیا جاتا تھا لوہے کے دندانے اور خول چڑھے ہوئے تھے جو ہل کی پھالی کی شکل کے ہوتے تھے جن کے دونوں طرف دھاریں ہوتی تھیں۔ فیلبان ہاتھی پر سوار ہوتا تھا اور جب کسی شخص کو ہاتھی کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا تو ہاتھی اس کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اوپر کی طرف پھینک دیتا تھا۔ اور پھر اِدھر کا اُدھر اپنے دانتوں پر لے لیتا تھا اور اپنے سامنے زمین پر ڈال کر اگلا پاؤں اس کے سینے پر رکھتا تھا۔ اگر فیلبان کہتا کہ اس کے دو ٹکڑے کر دے تو دانتوں سے ٹکڑے کر دیتا تھا۔ اور اگر یہ کہتا کہ اس کو پڑا رہنے دے تو پڑا رہنے دیتا تھا جس کے ٹکڑے نہ کئے جاتے تھے اسکی کھال کھنچوا لیجاتی تھی اسی قسم کے ہاتھیوں کے سامنے عین الملک کے ہمراہیوں کے بانسٹھ[۶۲] بڑے بڑے آدمیوں کو ڈالا گیا تھا بعض کو ہاتھیوں نے اپنے آہن پوش دانتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے تھے اور بعض کو اوپر اچھال اُچھال کر مار ڈالا گیا تھا۔ اسی طرح جلال الدین کے امیروں کی کھال کھنچوائی گئی۔[۲] ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ میں جب محل سے مغرب کے بعد نکلا تو کتے اُن کا گوشت کھا رہے تھے۔ اور اُن کی کھالوں میں بھوسہ بھرا جا رہا تھا۔

---

[۱] ابن بطوطہ جلد دوم ص ۲۹ تا ۳۰۔

دانتوں سے کاٹنے والا انسان

امیر ہلاجوں کے بغاوت کے سے میں لاہور کے باغیوں کی کھال کھنچوائی گئی اور بعض کو اور طرح قتل کیا گیا۔ یہ کام محمد بن نجیب نائب وزیر کے سپرد کیا۔ اس شخص کو اژدر ملک کہتے تھے اور سگ سلطان اس کا خطاب تھا۔ یہ شخص نہایت ظالم اور سنگدل تھا۔ بادشاہ اس کو بازاری شیر کہتا تھا۔ یہ شخص اکثر مجرموں کو دانتوں سے کاٹا کرتا تھا۔[۱]

زندہ کی کھال کھنچیا

سلطان تغلق کا بھانجہ بہاؤالدین گشتاسپ بغاوت کے سلسلہ میں جب گرفتار ہوا اور بادشاہ کے سامنے لایا گیا تو حکم ہوا کہ اس کو حرم سرائے میں لے جاؤ۔ وہاں اس کی رشتہ دار عورتوں نے اُس کو بُرا بھلا کہا اور اس کے منہ پر تھوکا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی زندہ کی کھال کھینچی جائے۔ اور اس کا گوشت چاولوں میں پکوا کر اُس کے گھر بھیجا گیا۔ ایک سینی میں رکھ کر بہنی کو دیا گیا۔ اُس نے نہ کھایا۔ اُس کی کھال میں بھوسہ بھروا کر تمام ملک میں پھرایا گیا۔[۲]

اندھے اور لولے کی سزا

جب اہلِ دہلی کے شرارت پسند اور خبیث النفس مکڑی کے لوگوں نے جو بادشاہ کے مخالف تھے بادشاہ کو پرچوں میں مغلظ گالیاں اور واہیات باتیں لکھ کر مسلسل بھیجنا شروع کیں تو بادشاہ ان کا پتہ لگاتے لگاتے تنگ آ گیا اور ملزمان کو نہ پکڑ سکا آخر جھنجلا کر اُس نے حکم دیا کہ اہلِ دہلی شہر چھوڑ کر دولت آباد چلے جائیں۔ لوگوں نے انکار کیا تو منادی کی گئی کہ تین دن کے بعد شہر میں کوئی شخص نہ رہے بہت سے لوگوں نے حکم کو مانا اور دولت آباد

---

[۱] ابن بطوطہ جلد دوم ص ۵۲ [۲] ایضاً۔

چلے گئے۔ بادشاہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ شہر میں جاکر دیکھو کہ کوئی شخص باقی تو نہیں رہا۔ تو ان کو ایک کوچے میں دو آدمی پائے ایک اندھا اور دوسرا لولا ان دونوں کو بادشاہ کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے لولے کو منجنیق سے اُڑا دیا اور اندھے کے واسطے حکم دیا کہ اس کو دہلی سے دولت آباد تک جو چالیس دن کا راستہ ہے گھسیٹ کر لے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اُس کا ایک پیر دولت آباد پہنچا جس سے وہ لنگڑا ہوگیا۔[۱]

جوگی اور ڈائن کی سزا جلانا

ابن بطوطہ برد ون شہر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُس کے ایک باشندہ نے اُن کو بتایا کہ شہر کا دروازہ بند ہونے کے بعد ایک شیر اس شہر میں داخل ہوجاتا تھا اور بہت سے آدمیوں کو مار جایا کرتا تھا۔ اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ شہر میں کس طرح داخل ہوتا تھا۔ وہ شیر چارپائی سے بچّہ کو بھی اٹھاکر لے جاتا تھا۔ اور جس کو پھاڑتا تھا صرف اس کا خون پیتا تھا اور گوشت کو بالکل نہ چھیڑتا تھا۔

اِس شیر کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ شیر نہیں بلکہ آدمی ہوتا ہے۔ جس کو جوگی کہتے ہیں جو شیر کی صورت میں آتا ہے۔ جوگی عجیب وغریب کام کرتے ہیں۔ بعضے مہینوں تک نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور بعض ایک غار زمین میں کھود کر اس پر عمارت بنا دیتے ہیں اور فقط ہوا کے لئے ایک سوراخ رکھتے ہیں اور اُس میں مہینوں تک رہتے ہیں۔ اور یہاں تک لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک برس تک اُس غار میں رہ سکتے ہیں۔ منگاور کے شہر میں مَیں نے ایک مسلمان کو دیکھا جو جوگیوں کی شاگردی کرتا تھا۔ اور ایک بلند ڈھول میں بیٹھا تھا اور بغیر کھائے پئے رہتا تھا۔

---

[۱] ابن بطوطہ جلد دوم

پچیس دن تو اسے ہو چکے تھے۔ میں چلا آیا۔ نہ معلوم وہ کتنے دن تک بھوکا رہا۔ یہ
جوگی ایک قسم کی گولیاں تیار کر کے ہر روز کھا لیتے ہیں اس سے ان کو بھوک نہیں
لگتی۔ یہ لوگ غیب کی باتوں کی بھی خبر دیتے ہیں۔

ایک روز بادشاہ نے مجھے بلوایا۔ میں اُن دنوں دارالخلافہ میں تھا۔ میں
حاضر ہوا بادشاہ اس وقت خلوت میں تھے اور خاص خاص امیر موجود تھے۔
اور وہ جوگی بھی موجود تھے۔ یہ جوگی رضائی اوڑھے رہتے ہیں اور سر کو بھی ڈھکا
رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ راکھ سے سر کے بالوں کو نوچ لیتے ہیں۔ بادشاہ نے مجھ کو
بیٹھنے کی اجازت دی میں بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہ شخص بڑے دور دراز کے
ملک سے آیا ہے اس کو کوئی ایسی چیز دکھاؤ جو اس نے پہلے نہ دیکھی ہو۔ انہوں نے
کہا بہت اچھا۔ اُن میں سے ایک جوگی آسن مار کر چوکڑی بیٹھ گیا۔ زمین سے
بلند ہوا اور اوپر ہوا میں اُدھر ہو گیا۔ مجھے نہایت تعجب ہوا اور وہم غالب
ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ محمد تغلق نے مجھ کو دوا پلائی۔ مجھے
افاقہ ہوا میں بیٹھ گیا۔ اور وہ شخص اسی طرح ہوا میں اوپر بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرے
جوگی نے اپنی کھڑاویں ہاتھ میں لیں اور غصہ میں آ کر کئی دفعہ ان کو زمین پر دے
دے مارا وہ کھڑاویں ہوا میں چڑھ گئیں اور جو جوگی ہوا میں بیٹھا ہوا تھا اس کی
گردن میں لگنے لگیں۔ وہ تھوڑا تھوڑا اترتا جاتا تھا اور آخر کار ہمارے پاس
آبیٹھا۔ بادشاہ نے مجھے بتلایا کہ کھڑاویں پھینکنے والا اُستاد ہے اور ہوا میں
اُڑنے والا شاگرد ہے۔ مزید یہ بھی کہا کہ اگر تیری عقل سلب ہو جانے کا اندیشہ
نہ ہوتا تو ہم تجھ کو اس سے زیادہ تماشہ دکھلاتے۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ مجھے

خفقان ہوگیا بیمار پڑ گیا۔ بادشاہ نے ایک شربت بھیجا اسکے پینے سے میں اچھا ہوا۔

---

۵۹ اس گروہ اور تماشوں کی تصدیق حسب ذیل واقعات سے بھی ہوتی ہے ۔ یہی ابن بطوطہ چین میں یہ شعبدہ دیکھتا ہے ۔

شعبدہ بازوں میں سے ایک شخص نے لکڑی کی گیند ہاتھ میں لی اس میں سوراخ تھے اوران سوراخوں میں لمبے لمبے تسمے بندھے ہوئے تھے۔ شعبدہ باز نے گیند کو آسمان کی طرف پھینکا ۔ گیند نظر سے غائب ہوگئی۔ ہم محل کے چوک میں کھڑے تھے گرمی کا موسم تھا ۔جب اس کے ہاتھ میں تسمے تھوڑے سے باقی رہ گئے تو اسنے اپنے شاگرد کو اشارہ کیا وہ تسمے پکڑ کر لٹک گیا اور ہوا میں چڑھنے لگا اور ہماری نظروں سے غائب ہوگیا ۔ اس نے اپنے شاگرد کو پکارا ۔جب وہ تین دفعہ آواز دینے کے بعد نہ بولا تو شعبدہ باز نے غضبناک ہوکر اپنے ہاتھ میں چھری لی اور وہ بھی تسمے کے ساتھ لٹک گیا اور نظروں سے غائب ہوگیا اور اوپر سے پہلے شاگرد کا ہاتھ آکر گرا اور پھر اُسکی ٹانگ پھر دوسرا ہاتھ، پھر دوسری ٹانگ، پھر اس کا دھڑ اور سر آگرا۔ اور اُس کے بعد اُستاد نیچے اُتر آیا ۔ وہ نتھنوں سے پھنکاریں مار رہا تھا اور اس کے کپڑے خون سے لتھڑے ہوئے تھے ۔اس نے اس کے بعد شاگرد کے اعضا جوڑ دئے اور ٹھوکر ماری تو شاگرد کھڑا ہوگیا ۔قاضی فخرالدین جو ابن بطوطہ کے قریب کھڑے تھے ۔انہوں نے کہا کہ نہ کوئی چڑھا نہ اُترا اور نہ کوئی عضو کاٹا گیا ۔ یہ سب نظر بندی ہے ۔

یہی تماشا ایڈورڈ ملٹن (سنہ ۱۶۷۰ء) نے جاوا میں دیکھا۔ اور اسی قسم کا تماشہ جہانگیر کو بھی شعبدہ بازوں نے دکھاکر ایک عجیب شعبدہ دکھایا۔

پچاس گز لمبی زنجیر لائے اور ہوا میں پھینک دی وہ زنجیر ہوا میں معلق کھڑی ہوگئی

یہ جوگی بعض فقط ترکاری کھاتے ہیں اور بعض گوشت بھی کھاتے ہیں مگر اکثر گوشت نہ کھانے والے ہوتے ہیں ۔ یہ لوگ ریاضت کی وجہ سے اپنے نفس کو علوی کر لیتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت سے اُن کو سروکار نہیں ہوتا۔ اُن میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر وہ کسی طرف نظر بھر کے دیکھ لیں تو وہ آدمی فوراً مر جاتا ہے عوام الناس کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی نظر سے مر جاتا ہے اور اس کا سینہ چیرا جاتا ہے تو اس میں دل نہیں ہوتا۔ نظر والا آدمی اُس کا دل کھا لیتا ہے۔ یہ کام اکثر عورتیں کرتی ہیں اور ایسی عورتوں کو کفتار کہتے ہیں۔

ڈائن کی شناخت کا طریقہ

ایک روز میرے پاس ایک عورت کو لائے اور کہا کہ یہ ڈائن ہے۔ اس نے اپنے برابر کے گھر والے کا دل کھا لیا ہے اور لڑکا مر گیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کو نائب السلطان کے پاس لے جائیں۔ اس نے آزمائش کا حکم دیا اور اس طرح کہ چار مٹکے پانی کے بھر کر اس کے چاروں ہاتھوں اور پاؤں پر باندھ دیتے ہیں اور اس کو دریائے جمنا میں ڈال دیتے ہیں اگر وہ نہیں ڈوبتی تو جانتے ہیں کہ وہ ڈائن ہے۔ اور اگر ڈوب جاتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ وہ ڈائن نہیں ہے۔ نائب نے حکم دیا کہ اس کو جلایا جائے چنانچہ جلایا گیا اور عورت مرد اس کی راکھ لے گئے۔ اُن کا گمان ہے کہ جو شخص اس

اس کے بعد ایک پتھر لائے وہ پتھر خود بخود زنجیر پر چڑھ گیا اور غائب ہو گیا۔ اس کے بعد ایک چیتہ لائے وہ بھی زنجیر پر چڑھ کر غائب ہو گیا پھر ایک شیر لائے وہ بھی غائب ہو گیا۔ اسکے بعد اور جانور بھی اسی طرح غائب ہو گئے۔ پھر اس زنجیر کو نیچے اتار لیا اور ایک ٹوکرے میں رکھ دیا اور اس پتھر اور جانوروں کا کچھ پتہ نہ لگا کہ کہاں گئے۔ (سیر المتاخرین جلد اول ص ۲۴۳)

راکھ کی دھونی لے لیتا ہے تو وہ اس سال تک ڈائن کی نظر سے محفوظ رہتا ہے[۱]۔

طریقہ تشہیر اس زمانہ میں اگر کسی کی تشہیر کرنی ہوتی تھی تو اس کے دُرّے لگا کر (لاشہ) لاغر گدھے پر سوار کرتے تھے۔ گدھے پر سوار کرنے کو بڑا عیب سمجھا جاتا تھا۔

قرضہ وصول کرنیکا طریقہ محمد شاہ تغلق کے عہد میں قرضہ وصول کرنیکا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی کا قرضہ کسی بڑے آدمی پر ہوتا اور وہ ادا کرنے سے لاچار ہوتا تو اس کے قرض خواہ بادشاہ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور جب وہ شاہی محل میں داخل ہونے لگتا تو وہ پکار پکار کر دہائی دینے لگتے تھے۔ اور بادشاہ کے سر کی قسم دلاتے تھے کہ جب تک ہمارا قرضہ ادا نہ کر دے اندر نہ جائے۔ اس وقت مقروض کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ ہوتا تھا کہ یا تو اس کا قرضہ ادا کر دے اور یا اُس کی خوشامد کر کے مہلت لے لے۔ چنانچہ ابن بطوطہ جب ہندوستان آیا اور بادشاہ کے ہاں ملازم ہوا تو وہ پچیس ہزار دینار کا مقروض ہو گیا تھا۔ اس کے قرض خواہوں کو وہ پچیس ہزار دینار بادشاہ محمد تغلق نے اسی طریقے سے ادا کئے۔

مارکو پولو ابن بطوطہ کا ہمعصر لکھتا ہے کہ معبر ملک کا یہ دستور ہے کہ جب مقروض باوجود کئی تقاضوں کے قرضہ ادا نہیں کرتا تو قرض خواہ اس کے گرد ایک لکیر کھینچ دیتا ہے۔ اس لکیر سے باہر مقروض نہیں نکل سکتا۔ جب تک وہ قرضہ ادا نہ کر دے یا قرض خواہ اس کو مہلت نہ دے۔

عہدہ میرداد عہدہ میرداد پر قابل ولائق آدمی مقرر ہوتا تھا۔ اس کا

---

[۱] ابن بطوطہ جلد دوم باب ۸ صفحہ ۲۶۵ تا ۲۶۸

کام یہ ہوتا تھا کہ وہ قاضی کے ساتھ بیٹھتا اور اگر کوئی شخص کسی امیر پر نالش کرتا تو وہ اس کو قاضی کے روبرو حاضر کرتا۔ اس کی تنخواہ پچاس ہزار سالانہ دینار مقرر تھی۔ اس دور کے مشہور میر داد ضیاء الدین اور مبارک شاہ تھے۔

ستی ہونا بلا بادشاہ کی اجازت کے ممنوع تھا

محمد شاہ تغلق کے ممالک محروسہ میں اگر کوئی عورت ستی ہونا چاہتی تھی تو وہ پہلے اس کی اجازت بادشاہ سے لیتی تھی۔ بلا بادشاہ کی اجازت کے کوئی عورت ستی نہ ہوسکتی تھی۔ بادشاہ درخواست کے آنے کے بعد تحقیقات کرتا تھا کہ عورت کو جبراً تو ستی نہیں کرایا جارہا ہے۔ اگر اس کو یہ تصدیق ہوجاتا تو وہ ستی ہونے کی اجازت دے دیتا تھا۔ چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ بادشاہ نے ایک عورت کے جلانے کی اجازت دے دی تھی۔[۱]

چوری کی سزا موت

اس زمانہ میں ملیبار کے اندر ایک ناریل چرانے پر چور کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اس کے مارنے کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ ایک لکڑی زمین پر گاڑھ دی جاتی تھی۔ اس کے سر پر لوہے کی انی ہوتی تھی۔ اس پر ایک تختہ لگایا جاتا تھا اور انی اس کے پار کردی جاتی تھی۔ پھر اس شخص کو اس تختہ پر لٹایا جاتا تھا۔ انی اس کے پیٹ سے پار ہوکر پشت میں جا نکلتی۔ اس کو عبرت کے لئے وہیں لٹکا دیتے تھے۔

لکڑی کا جیل خانہ

سلطانہ خدیجہ سلطان جلال الدین کی بیٹی ہمعصر محمد شاہ تغلق کے دور میں جزائر مالدیپ میں کوئی قید خانہ نہ تھا۔ اگر بہت سے قیدی ہوتے تو ان کو لکڑی کے گھروں میں جو سوداگروں کے اسباب رکھنے کے لئے

---

[۱] ابن بطوطہ جلد دوم باب ۱ ص ۳۷

بنے ہوئے ہوتے تھے اس میں بند کر دیتے تھے۔ اگر ایک قیدی ہوتا تو اس کو کاٹ میں دے دیتے تھے۔

زنا کی سزا زنا کرانا

جزائر ہند چینی ملک برہنکار یعنی اراکان کے اس عہد میں مرد زانی کو پھانسی کی سزا دی جاتی تھی اور زانیہ عورت سے ساتھ راجہ کے کل غلام مباشرت کرتے حتیٰ کہ وہ مر جاتی پھر اس کو سمندر میں پھینک دیتے تھے چنانچہ ابن بطوطہ لکھتے ہیں کہ ایک رات کو جب ہم ان کے بندر میں ٹھہرے ہوئے تھے یہ اتفاق ہوا کہ مالک جہاز کے ایک غلام نے جو ان لوگوں کے پاس کار و بار کے واسطے آمد و رفت کیا کرتا تھا۔ عورت سے بات چیت کی اور رات کو ایک غار کے پاس وہ دونوں اپنے وعدے کے مطابق ملے، عورت کے خاوند کو خبر ہو گئی وہ ان دونوں کو راجہ کے پاس لے گیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس غلام کے خصیے کاٹ ڈالو اور اس کو پھانسی دے دو اور عورت کے واسطے حکم دیا کہ اس کے ساتھ سب حاضرین جماع کریں۔ حتیٰ کہ وہ مر گئی۔

وحشتناک سزاؤں کی منسوخی

فیروز شاہ تغلق نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام وحشتناک سزاؤں کی منسوخی کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی تصنیف فتوحات فیروز شاہی میں ان سزاؤں کے بارے میں لکھتا ہے :-

> پرانے وقت میں خفیف جرم پر بھی شدید سزائیں دی جاتی تھیں اور بے گناہوں کا خون بہایا جاتا تھا اور دوسرے وحشتناک عذاب یعنی ہاتھ، پاؤں، ناک کاٹ ڈالنا، آنکھوں سے اندھا کرنا، ہڈیوں کو

میخ کوب سے توڑنا، زندہ آگ میں جلانا۔ لوہے کی میخیں ہاتھ پیر میں ٹھوکنا۔ کھال کھینچنا۔ پیر کاٹنا جسم کو دو پارہ کر دینا۔ اسی طرح اور بہت سی سیاست کی ناقابل برداشت سزاؤں کا دینا۔ بائیں ہاتھ کا کھیل تھا خدائے تعالےٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں نے اس طرح کی تمام سزاؤں کو منسوخ کر دیا۔

یہ بادشاہ ہمیشہ محمد تغلق کی سختیوں کو تاسف کی نگاہ سے دیکھتا تھا اس نے تلافی مافات کرنے اور مرحوم کی روح کو ایصال ثواب اور مواخذ د عقبےٰ سے بچانے کی کوشش کی۔ اس نے حقوق العباد کو مد نظر رکھتے ہوئے لوگوں کے رنجیدہ دلوں کو خوش کیا جن جن کے ہاتھ پاؤں اور ناکیں کٹوائی تھیں یا آنکھیں نکلوائی تھیں سب کو دے دلا کر استمالت اور دلجوئی کی اور ان کے تحریری معافی نامے صندوق میں رکھ کر محمد شاہ تغلق کے سرہانے دفن کرائے[1]

فتاوے تاتارخانیہ

فیروز شاہ کے عہد سلطنت کے لئے قانون مرتب ہوئے۔ فتاوے تاتارخانیہ تیار ہوئی یہ کتاب فقہ کی تحقی جو در اصل بخارا کی حنفی فقہ کا عکس ہے (مولانا عبیداللہ سندھی[۲۴۸])

سنگین مجرموں کی رہائی

علاؤالدین بہمنی نے ۱۳۵۷ء میں دولت آباد میں مرض الموت کے زمانہ میں حکم دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے قیدی یکبارگی رہا کر دئے جائیں اگر ان قیدیوں میں کوئی شخص کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نظر بند کیا گیا ہے تو وہ جلد حسن آباد گلبرگ پہنچا دیا جائے شاہی فرمان کے مطابق ہر چہار طرف سے اس قسم کے قیدی جو کسی بڑے جرم کے

---

[1] فتوحات فیروز شاہی مصنفہ فیروز تغلق بادشاہ

میں افراد پابہ زنجیر تھے۔ اسی قید کی حالت میں دارالحکومت کے اندر جمع ہوئے گئے۔ انصاف پرور بادشاہ نے اسی وقت ان کے قصور معاف کرکے سب کو آزاد و رہا کر دیا۔ قیدیوں میں صرف سات ایسے مجرم تھے جن کی رہائی ملک کے لئے باعث آزار تھی اسی طرح پابہ زنجیر رکھے گئے۔ بادشاہ نے ان قیدیوں کو شاہزادہ محمد کے سپرد کیا اور کہا میرے بعد ملک کی مصلحتوں کا خیال کرکے ان مجرموں کے ساتھ مناسب برتاؤ کرنا۔[۵۱]

تیس ہزار چوروں کا قتل

محمد شاہ بہمنی (۱۳۶۶ء) نے ان چوروں اور قزاقوں کو جو اپنے پیشہ میں مشہور آفاق تھے اور جنہوں نے مسافروں اور راہ گیروں کے قتل و غارت کرنے پر کمر باندھی تھی نیست و نابود کرنے کا قطعی ارادہ کرلیا اور اپنے ملک کے چاروں طرفداروں کے نام فرمان صادر کئے کہ ہر حاکم اپنے حدود ملک کو ان ظالموں کے وجود سے پاک کر دے۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ اس فرقہ کے ہر خورد و بزرگ کا سر قلم کرکے دوسروں کی عبرت کے لئے پایۂ خلافت کو روانہ کیا جائے۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق ہر طرفدار نے قزاقوں کے ملجا و ماوی پر حملہ کرکے چھ یا سات مہینہ کے عرصہ میں اس جماعت کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ ملا داؤد بیدر دی لکھتے ہیں کہ چھ مہینہ کے اندر تقریباً تیس ہزار چوروں اور راہزنوں کے سر چاروں طرف سے حسن آباد گلبرگہ روانہ کئے گئے۔ شہر کے باہر ان سروں سے چبوترے بنائے گئے۔[۵۲]

انسانوں کو آرے سے چروانا

۱۳۹۰ء کا عہد تمام عہدوں سے زیادہ خطرناک عہد تھا اس میں قطع نظر پاؤں یا ناک کٹوانے کے اور آنکھیں نکلوانے، ہڈیوں کو ہتھوڑے سے کٹوانے اور ہاتھ پیروں کو

---

۵۱ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۹   ۵۲ ایضاً

چو مینچہ کرانے یا زندہ کھال کھنچوانے کے اکثر مجرموں کو زندہ جلایا یا آرے سے چروایا جاتا تھا۔[1]

محمود شاہ کا قید خانہ

محمود شاہ بہمنی نے ابتدائی زمانہ میں مسند عالی خان محمد کو باعث فتنہ سمجھ کر ساغر کے قلعہ میں قید کر دیا جہاں انہوں نے تھوڑے دنوں میں وفات پائی۔

سرکاری ماہوار کے لالچ میں آنکھیں پھوڑ لیں

محمود شاہ بڑا حلیم اور کم آزار فرمانروا تھا۔ حسن اخلاق اور عدالت اس کا شعار تھا۔ اس نے زمانہ میں ملک کے تمام اندھوں کو روزینے متعین کئے گئے۔ اندھوں کی اس امداد نے بہت سے آنکھوں والوں کو بھی نور بصارت سے بیزار کر کے خود اپنے ہاتھوں اپنی آنکھیں پھڑوا ڈالیں اور یہ خود آزار سرکاری ماہوار پر زندگی بسر کرنے لگے۔

عمارت کے داخلہ پر سزا سے مستثنیٰ

سلطان غیاث الدین نے ایک ایسی خوبصورت عمارت تعمیر کرائی اگر کوئی مجرم اس میں داخل ہو جاتا تو باز پرس و سزا کی مصیبت سے نجات پا جاتا تھا[2]

بھکاریوں کی سزا

سلطان علاؤ الدین بہمنی ثانی نے ۸۴۳ھ میں فقیروں اور دریوزہ گروں کے گلے میں لوہے کا طوق ڈالا اور انہیں غلاظت صاف کرنے اور مٹی اٹھانے اور دوسری شدید محنت کے کاموں پر مقرر کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ اس محنت کی وجہ سے بیکاری کے پیشہ سے باز آ کر یا کسب معاش کریں یا بہمنی دائرہ حکومت سے نکل جائیں۔

---

[1] مفتاح التاریخ صفحہ ۵۰ [2] آئین اکبری جلد اول صفحہ ۹۸۲

چوروں سے عمارت تعمیر کرانا

سلطان زین العابدین بن سکندر شاہ بت شکن ۸۸۷ھ م ۱۴۷۰ء کا قاعدہ تھا کہ وہ چوروں کو تہ تیغ نہ کرتا تھا۔ بلکہ جب ایسے لوگ گرفتار ہو کر آتے تو بادشاہ انہیں پابہ زنجیر کرکے حکم دیتا کہ تعمیر عمارت میں پتھر اور مٹی ڈھوئیں اور مزدوروں کا کام کریں[۱]۔

شرابیوں کے گلے میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جاتا

اگر کوئی شخص باوجود منع کرنے کے شراب پیتا اور نشہ آور چیز کے گرد بھٹکتا تو زین العابدین کے دور میں سیسہ گلا کر اس کے حلق میں ڈالا جاتا تھا اس قسم کی سزا سے کوئی زندہ نہ بچتا[۲]۔

سات ہزار قیدیوں کا جیل خانہ

۱۴۵۷ء میں بابر بادشاہ کے بیٹے ہمایوں کی ولادت سے قبل ہمایوں شاہ بہمنی تخت نشین ہوا۔ اس نے شاہ حبیب اللہ کو شاہزادہ حسن خاں کی دوستی میں قید کر دیا۔ انکے سات مریدوں نے بالاتفاق اپنے مرشد کی رہائی پر کمر ہمت باندھی اور یوسف ترک کی جو سلطان علاؤالدین کا غلام تھا دامن میں پناہ لی۔ یوسف ترک بھی اس خاندان کا مرید تھا وہ ان لوگوں کے ساتھ ایک دل ایک زبان ہو گیا اور اس نے کوتوال اور محافظوں کو ملایا۔ اس طرح بارہ سوار اور پچاس پیادے فدائی تیار ہو گئے۔ باوجود اس کے اسوقت تین ہزار پیادے پایہ تخت کی محافظت میں موجود تھے۔

یوسف کے ہمراہ فدائیوں کا گروہ توکل پر شام کے قریب احمد آباد بیدر بادشاہی محل میں جہاں قید خانہ تھا آیا چونکہ محافظ اکثر اپنے کام میں مصروف تھے اور تھوڑے دربان جو وہاں تھے انہوں نے منع کیا۔ یوسف ترک نے کہا میرے پاس شاہی فرمان ہے۔

---

[۱] فرشتہ چہارم ص ۴۷۷۔ [۲] فرشتہ سوم ص ۱۲۹۔

کہ قیدخانہ میں جاکر فلاں فلاں مجرموں کی آنکھیں نکالوں۔ اس نے سرخ رنگ کا شاہی فرمانوں کی طرح کا فرمان بھی دکھایا۔ محافظ خاموش ہو گئے۔ اور یوسف پہلے دروازہ سے نکلا اور دوسرے دروازہ پر پہنچا۔ اس دروازے کے دربانوں نے اسے اندر آنے سے روکا چنانچہ یوسف نے اس گروہ کے سرداروں کا سر قلم کیا اور قلعہ کے اندر داخل ہوا اور سب سے پہلے زنداں کے اُس حصّہ میں گیا جہاں مشاہیر ملک نظربند تھے اُس نے شاہ حبیب اللہ کی زنجیر قید توڑ ڈالی۔ یہ حال دیکھکر شہزادہ یحیٰی خاں و حسن خاں بن سلطان علاؤالدین و جلال الدین بخاری نے بھی عاجزی کے ساتھ ان سے درخواست کی کہ اُنکی زنجیر قید بھی توڑ دے۔ یوسف نے ان لوگوں کو بھی قید سے رہا کیا اور اس کے بعد دوسرے زندانیوں سے جو دارالامارۃ کے پاس قید تھے کہا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دے اپنی زنجیر توڑ کر باہر نکلے اور تخت گاہ کے دروازے کے پاس ہم سے مل جائے۔ جہاں یوسف ترک ایک پہر رات تک کھڑا رہا۔ اور زندانی جس میں علماء فضلاء سادات فقرا اور اہل شہر ہر طبقہ کے آدمی شامل تھے کل سات ہزار تھے۔ اسوقت کو بڑی نعمت سمجھے اور موکلوں کو گردن سے دھکا دے کر قیدخانہ سے باہر نکل آئے اور یوسف کے قریب جمع ہو گئے۔

کوتوال کا عضو کاٹ کر اُس کو کھلایا

اِس واقعہ کی خبر جب ہمایوں بہمنی کو پہنچی تو اس نے تین ہزار پیادوں کو جو شہر کی محافظت پر مقرر تھے طرح طرح کے عذاب سے قتل کیا اور کوتوال کو لوہے کے قفس میں قید کر کے ہر عضو اس کا ایک دن کاٹتا اور اس کو کھلاتا تھا اور شہر میں اس کی تشہیر کی جاتی تھی۔

انسانی لاشوں کو جوش دینا

یوسف کے گروہ کے پاس لشکر کے گروہ کے گروہ کثرت کے ساتھ آنے لگے چنانچہ اُس کے پاس

تین ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادوں کی جمعیت ہوگئی تو ہمایوں بہمنی کی فوج سے بیڑ کے جنگل میں لڑائی ہوئی ہمایوں نے شکست کھائی۔ دوبارہ جنگ ہوئی۔ یوسف کا گروہ بھاگ نکلا اور بیجانگر پہنچا۔ وہاں سراج خاں کوتوال نے ان کے ساتھ دغا کی اور ان کو پکڑ کر ہمایوں بہمنی کے پاس بھیج دیا۔ ہمایوں نے حکم دیا کہ بیدر کے بازار میں دار اور حلقے نصب کئے جائیں اور بجا بجا مست ہاتھی اور تمام اقسام کے درندے کھڑے کئے جائیں۔ اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر گرم پانی اور جلتے ہوئے تیل کے قرابے بھرے ہوئے تیار رہیں۔ شاہی حکم کی تعمیل کی گئی۔

بادشاہ نے سب سے پہلے شاہزادہ حسن اپنے بھائی کو شیر کے سامنے پھنکوا دیا درندے نے شاہزادہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس کے بعد یوسف ترک اور ساتوں ہمراہی تہ تیغ کئے گئے۔ بادشاہ نے انکے متعلقین اور متوسلین کو جو تقریباً سات سو تھے دیگوں میں ڈلوا کر جوش دلوا کر اور بعضوں کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کروا کر مروا ڈالا۔

پادریوں کا زندہ جلانا

۱۵۱۰ء میں عادل شاہ کے عہد میں پرتگالی دوبارہ یورپ سے تازہ دم فوج معہ جہازوں کے آگئے۔ بڑی خونریز لڑائی کے بعد افواج بیجاپور کو بندر گوآ سے نکال باہر کیا۔ ابوکرک نے اپنی فوج کو اذن عام دے دیا کہ وہ مرد عورت حتّٰی کہ بچوں تک کو جو جہاں ملے تلوار کے گھاٹ اتار دو۔ ایسے سفاکانہ اور ظالمانہ قتل تاریخ ہند میں ملنا مشکل ہے صحیح معنوں میں خون کی ندیاں بہائی گئی تھیں۔

پادریوں نے باشندوں کے مذہبی معاملات میں مزاحمت شروع کی۔ اور ایک دن ان کو ادائے فرض سے جابرانہ طریقے سے روکا۔ مسجدوں کو مسمار کرایا

اُن کو پکڑ پکڑ کر قید میں ڈالا، مظالم کئے، اور وہ پھر بھی باز نہ آئے اور اپنے مذہب سے منحرف نہ ہوئے تو ان کو مروا ڈالا۔

فرتیر نامی سیاح گوآ کے ہولناک مظالم کا چشم دید حال لکھتا ہے کہ:۔

میں ایک دن صبح کو اس مقام پر گیا جہاں کہ پادریوں کا دارالقضا بنا ہوا تھا۔ دارالقضا کیا تھا مقتل تھا۔ بازار کے بیچوں بیچ ایک بڑا بھاری اونچا انجن سولی کی طرح کا کھڑا کیا گیا تھا جس پر ایک چرخ لگا ہوا تھا۔ انجن پر پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اس کو سٹرا پیڈو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے سزا پہنچنے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک بڑا شہتیر بلندی پر لگا ہوا ہے اس پر کھینچ کر انسان کو چڑھاتے تھے اور وہاں سے اُسے گرا دیتے تھے جس کے صدمہ سے اس کی ہڈیاں چورا چورا ہو جاتی تھیں۔ وہیں قریب میں اوپر کو دار گوا یک جزیرہ تھا جہاں پادری کے فتوے کے مطابق لوگوں کو زندہ آگ میں جلا دیتے تھے جس کے لئے یہ سزا تجویز ہوتی تھی ان کو دارالقضا سے کھینچنے اور شیطان کا خوفناک لباس پہنا کر لاتے تھے اور جلاد کے حوالے کر دیتے تھے۔ بازار میں سوائے سور کے گوشت کے کسی دوسرے گوشت کے کاٹنے کی ممانعت نہیں تھی جو ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے ایک غضب کا سامنا تھا۔ ایک اور سیاح لنشن کوٹن ۱۵۸۳ء سے ۱۵۸۹ء تک ہندوستان میں رہا ہے وہ بھی ان پادریوں کے مظالم کی تائید کرتا ہے[۱]

عادل شاہی سزائیں

عادل شاہی دور میں شرع محمدی کے مطابق مجرم کو سزا دی جاتی تھی۔ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ زانی کی سزا سنگسار کر کے مار ڈالنا تھی۔ شرابیوں کے اسی درّے لگائے جاتے تھے۔ جو کوئی کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس سے جان کا قصاص لیا جاتا تھا اور

---

[۱] تاریخ بیجاپور جلد اول صفحہ ۲۷۶

پھانسی کی سزا دی جاتی تھی۔ مقتولین کے عزیز اگر قاتل کو معاف کر دیتے تھے تو اس کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس دور میں قیدیوں کو خوراک سرکار سے دی جاتی تھی۔

سکندر لودھی کا قید خانہ

سکندر لودھی ۱۴۸۸ء کے حکم کے مطابق امراء نے جلال خاں اور شیر خاں کو قید کر کے رنتھنبور گڑھ کے قلعہ میں قید کر دیا۔ یہی بادشاہ عید کے دن ان قیدیوں کو جو باقی داری کی علت میں قید ہوتے تھے۔ رہا کر دیتا تھا۔

پان کی پیک سے موت

محمود شاہ ۱۵۱۲ء کے خاصہ کھانے میں اکثر مہلک زہر سنکھیا کثرت سے ہوتا تھا اور تمام بدن اس کا ایسا زہریلا ہو گیا تھا کہ اگر کوئی مکھی اس کے جسم پر بیٹھتی تو وہ مکھی مردہ ہو کر زمین پر گر جاتی۔ جن بڑے لوگوں کا اس کو قتل کرنا منظور ہوتا تھا وہ ان پر صرف پان کھا کر تھوک دیتا تھا۔

قاضی اور محتسب کے عہدہ پر عورتوں کا تقرر

سلطان غیاث الدین بن سلطان محمود خلجی ۱۴۹۰ء کی حرم سرا میں کنیزان، سازندہ و رقاص و صاحب جمال بے شمار جمع ہو گئیں چونکہ ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا تھا لہٰذا قلیل مدت میں قریب دس ہزار کنیزیں اور دختران راجہ اس کے محل میں جمع ہو گئیں۔ دختران راجہ و امراء کو مناصب مرحمت کر کے بیرون حرم کے مطابق قصر شاہی میں بھی عہدے و مدارج مقرر کئے۔ بادشاہ نے ان مستورات میں سے بعض کو وکیل، وزیر، دبیر، مشرف، مہردار، نویسندہ و منجم مقرر کیا اور بعض کو صدر، مدرس، حکیم، ندیم، محتسب

مفتی، موذن، اور قاضی کے عہدوں پر مامور کیا۔[۵۱]

قاتلوں کو توپ سے اُڑانا

سلطان بہادر بن مظفر شاہ گجراتی ۱۵۲۷ء نے سلطان سکندر کے تین قاتلوں کو گرفتار کر لیا۔ اور توپ سے اُڑا دیا۔

ہمایوں کا قید خانہ

ہمایوں نے محمد زمان کو گرفتار کر کے یادگار بیگ چغتائی کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ اسے قلعہ بیانہ میں نظر بند رکھے۔ چنانچہ اس کو نظر بند کیا گیا۔ وہ محافظین سے سازش کر کے فرار ہو گیا۔

زہر کے حوض کا جیل خانہ

ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے۔ جنت آباد پرانا شہر ہے۔ یہ بنگال کا پایہ تخت تھا ہمایوں بادشاہ نے اس کا نام جنت آباد رکھا تھا۔ اس شہر کے شمال میں ایک کوس کے فاصلہ پر ایک عمارت اور حوض ہے جس کا پانی زہر کی خاصیت رکھتا ہے۔ اس حوض کو بیاز پیاس (باڑی) کہتے ہیں۔ جن قیدیوں کو مار ڈالنا منظور ہوتا تھا اس کو وہاں قید رکھتے تھے۔ جو یہ پانی پی پی کر تھوڑے دنوں میں مر جاتے تھے۔[۵۲]

پرامن عہد

شیر شاہی (۱۵۴۵ء) عہد ایسا پرامن تھا کہ جنگل کے مسافر بے کھٹکے اپنا اسباب سرہانے رکھکر آرام و اطمینان سے رات بھر سوتے تھے۔ بلکہ یہاں تک ہوتا تھا کہ اگر ایک بڑھیا بھی روپے اور اشرفیوں کا گھرا جنگل میں اپنے پاس رکھکر سوتی تو اسے بھی پاسبان کی حاجت نہ ہوتی۔

شیر شاہ نے ہر ایک سرائے کے دروازے دو بنا رکھے تھے ایک دروازہ پر پکا کھانا مسلمانوں کو اور دوسرے دروازہ پر ہندوؤں کو تقسیم کیا جاتا تھا۔ کہ

---

۵۱ فرشتہ چہارم (ص۵۶۳) ۵۲ آئین اکبری۔

مسافروں کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو۔ اس منصف مزاج بادشاہ کے دورِ حکمرانی میں دیہات یا گاؤں میں پنچایتیں قائم تھیں۔ محکمہ ڈاک محکمہ خبر رسانی اور محکمہ پولیس کا بھی بہت اعلیٰ انتظام تھا۔ ظالم حاکم اور رشوت خوروں کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ اگر کسی گاؤں میں چوری یا ڈاکہ یا اور کوئی واردات ہوتی تو اس گاؤں کے نمبردار کو اس کا سراغ لگانا پڑتا تھا۔ اور ملزم کو پکڑ کر حکومت کے سامنے پیش کرنا پڑتا تھا ورنہ اس جرم کی سزا اسے بھگتنا پڑتی تھی۔ اس طریقہ سے ملک میں چوری اور رہزنی کا نام و نشان تک نہ رہا تھا۔ اس کی حکومت عدل و انصاف کی حکومت تھی۔ امیر و غریب سب کے لئے ایک ہی قانون تھا۔

جیل خانہ قلعہ گوالیار

سلیم شاہ (۱۵۴۵ء) نے قطب خاں کو اپنے بہنوئی شہباز خاں لوخانی اور چند دوسرے مجرموں کے ساتھ جو کل چودہ اشخاص تھے قید کر کے گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا۔

قبیلہ کو گھر میں بند کر کے جلا دیا

اس بادشاہ نے پنجابی امرار کو کھکھروں کی تباہی پر مامور کیا۔ اور قیدی کھکھروں کے بارے میں حکم دیا کہ تمام اسیروں کو گھر میں بند کر کے آگ سے اُڑا دیں۔ چنانچہ تمام قبیلہ اسی طرح ایک گھر میں ہلاک کیا گیا۔[۱]

اکبر کا عدل

اکبر (۱۵۵۶ء) کے عہد کی عدالتیں موجودہ زمانہ کی کنگال بنانے والی اور مدت مدید میں فیصلہ کرنے والی عدالتیں نہ ہوتی تھیں۔ ان عدالتوں کے فیصلے جلد ہو جاتے تھے اور کچھ خرچ بھی نہ ہوتا تھا۔ سزا فوراً دے دی جاتی تھی۔ قاضی مقدمہ کرتا تھا اور میر عدل فیصلہ سناتا تھا۔[۲] اکبر کے

---

[۱] فرشتہ سوم ص۳۳۶ [۲] آئین اکبری اوّل۔

زمانہ کے مشہور عادل سید محمد میر عدل تھے اور قاضی القضاۃ عبدالسمیع میاں کالی تھے اور دیگر مشہور قاضی قاضی صدرالدین، قاضی علی بغدادی قاضی جلال الدین، قاضی ابراہیم قاضی حسن وغیرہ تھے۔ جو شریعت مقدسہ کے ماتحت مقدمات کی تفتیش کرتے تھے۔

شروع میں ہندوؤں کے جائداد اور وراثت وغیرہ کے فیصلے پنچایت کے ذریعہ طے ہوتے تھے۔ مگر جب وہ سرکاری حاکموں کے سامنے جاتے تو ہندو رسم و رواج کا خیال رکھا جاتا تھا۔ ۹۹۹ھ میں ہندوؤں کے مقدمات کے لئے برہمن مقرر ہوتے جو شاستر کے مطابق فیصلے دیتے تھے۔ قانون فوجداری ہندو مسلمانوں کے لئے ایک تھا۔ پھانسی کی سزا کم دی جاتی تھی۔ سزائے موت میں ہاتھ پاؤں نہیں کٹوائے جاتے تھے اور نہ کوئی ظلم کیا جاتا تھا۔

سخت سزاؤں کا انسداد

اکبر سخت سزاؤں اور ظالمانہ طریقہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا نہ تھا بلکہ اُن کا سخت مخالف تھا چنانچہ ابوالفضل آئینِ اکبری میں لکھتا ہے کہ جنت آباد کے پاس پیاس پاری حوض میں جہاں قیدیوں کو زہریلا پانی پلا کر مار ڈالا کرتے تھے اس نے اکبر نے قیدیوں کو رکھنے کی ممانعت کر دی تھی۔

اسی طرح جب اکبر نے سنا کہ جہانگیر نے زندہ انسانوں کی کھال کھنچوائی ہے تو سن کر تڑپ گیا۔ اور کہا اللہ اللہ شیخو جی ہم تو بکری کی کھال بھی اُترتے نہیں دیکھ سکتے تم نے یہ سنگدلی کہاں سے سیکھی[1]۔

کچھ عرصہ کے بعد اکبر نے کوتوال شہر کو دار پر چڑھانے کے لئے منع کر دیا تھا

---

[1] دربار اکبری۔

اور تمام ممالک محروسہ میں اس قسم کے حکم بھیج دیے تھے کہ کوئی مجرم دار پر نہ چڑھایا جائے۔ اور نہ سلاطین کبار کی طرح ملزموں کی کھال کھینچی جائے۔ نہ ملزموں کو ہاتھیوں کے سامنے ڈالا جائے۔ (ابوالفضل دفتر اول ص[1])

قطع و برید اعضاء کی سزا

لیکن اس کے باوجود اس دور میں قطع و برید اعضاء کی سزا نافذ تھی چنانچہ جو شاہی احکام سپہ سالاروں کو بھیجے جاتے تھے اس میں ان کو یہ اجازت دی گئی تھی کہ اگر فتنہ پرور گروہ دل پسند نصیحتوں سے قابو میں نہ آئے تو سختی سے کام لیا جائے اور اگر ضرورت ہو تو سخت کلامی ڈرانے دھمکانے یا سزا دینے اور قید کرنے اور ان کے اعضائے بدن کاٹنے میں بھی تامل نہ کرے۔ لیکن اس کے ساتھ جان لینے میں حتی الامکان بے حد محتاط رہے[2]۔ چنانچہ جو فیلبان جانوروں کو مستی میں لانے کے لئے دوائیں کھلاتے تھے اور جانور اس طرح ہلاک ہو جاتے تھے تو مجرم فیلبان کو قتل یا ہاتھ کاٹتے یا اس کو بردہ کی طرح فروخت کر ڈالتے تھے[3]۔

میر عدل اور قاضی

اگرچہ حکومت اور ملک و رعایا کی خبر گیری کرنا درحقیقت فرمانروایان عالم کا فریضہ اور ان کا منصب ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ امر ایک شخص کی طاقت سے باہر ہے کہ وہ تمام سررشتوں کی نگرانی کر سکے اس لئے اکبر اپنے خاص خاصوں کو میر عدل اور قاضی کی خدمت پر مامور کر دیتا تھا کہ وہ عدل و انصاف کے ذریعہ رعایا کے حقوق کی حفاظت کریں۔

کوتوال

اس عہدے کے لئے وہ شخص موزوں سمجھا جاتا تھا جو جری، تجربہ کار، ہوشیار، مستعد، بردبار، معاملہ فہم اور نیک خصال ہو۔

---

[1] آئین اکبری اول (۵۷۹) [2] ایضاً (۵۶۹) [3] ایضاً

اس کی ہوشیاری اور شب گشت سے رعایا آرام و آسائش کی نیند سوتی اور بد اطوار افراد نیست و نابود ہوتے تھے۔ کوتوال کے بعض فرائض یہ بھی تھے۔ کہ

مسروقہ مال کا ذمہ دار کوتوال وہ چوروں کو گرفتار کرے اور مال مسروقہ برآمد کر کے مالک کے سپرد کر دے یا اُسکے نقصان کا ذمہ دار ہو۔ اور اس بات کا لحاظ رکھے کہ دولت مند افراد اپنی ضرورت سے زیادہ غلہ نہ خریدیں۔ اوزان ترازو کی صحت پر پوری توجہ دے اور سیر کو تیس دام سے کم و بیش نہ ہونے دے۔[1]

شراب کی خرید فروخت ممنوع رعایا کو سر بازار شراب بنانے یا اس کے ناپ تول کرنے یا اس کے خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی[2]۔ کوتوال کا فرض تھا کہ جہاں اس قسم کی خلاف قانون حرکت دیکھے منع کرے۔ شراب کو دوائی کے طور پر پینے کی اجازت تھی۔ ہاں بدمستی کے استعمال پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ جسے ضرورت ہوتی وہ رجسٹر میں اپنا، باپ، دادا کا نام لکھواتا۔ قومیت وغیرہ لکھوائی جاتی۔ فرضی نام بھی چلتے جس پر دار القضا سے سرکوبی ہوتی خواجہ خاتون دربان اسکا داروغہ تھا[3]

ملنگوں کا شہر بدر کرنا ملنگوں اور قلندروں نیز ریا کار سوداگروں کو یا تو شہر بدر کیا جاتا یا ان کو بد اعمال سے باز رکھنے کی سعی کی جاتی۔ لیکن اس امر کا لحاظ رکھا جاتا کہ اس فعل سے خدا پرست اور گوشہ نشین اور تارک الدنیا لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے اور وہ آزردہ خاطر نہ ہونے پائیں۔

قصاب سے میل کرنے پر پابندی قصاب، صیاد، غسال۔ اور مہتروں کو

---

[1] آئین اکبری اول[2] ایضاً [3] دربار اکبری۔

علیحدہ محلوں میں بسایا جاتا اور دوسروں کو ان سنگدل اشخاص سے میل جول نہ رکھنے کی ہدایت تھی۔ اور مقتل شہر کے باہر بنایا جاتا تھا۔

جانور ذبح کرنے پر سزا

کوتوال رعایا کو اس امر کی ہدایت کرتا تھا کہ بیل بھینسا، گھوڑا اور اونٹ ذبح نہ کیے جائیں یکم فروردین سے انیس ماہ مذکور تک اور آبان کے تمام ماہ میں اور ہر شمسی ماہ کی پہلی اور سولھویں تاریخ الٰہی تیوہاروں کے دن اور چاند سورج گرہن کے ایام میں نیز ہر اتوار کو جانور ذبح نہ ہونے دینا۔ لیکن شکارگاہ یا حالت مرض میں بلحاظ ضرورت ان ایام میں گوشت خوری کو جائز رکھتا[1]۔ جو ان ممنوعہ ایام میں جانور ذبح کرتا، سزا پاتا۔ جرمانہ بھرتا۔ گھر لٹ جاتے[2]۔

جلاد سے قطع تعلق

پھانسی جلاد سے دلوائی جاتی تھی۔ جلاد کے ساتھ جو کھاتا اس کا ہاتھ کٹوا دیا جاتا تھا۔ جو اس کے برتن میں کھاتا اس کی ایک انگلی کٹوا دی جاتی تھی[3]۔

ختنہ پر پابندی

مسلمانوں کو تاکید تھی کہ بارہ برس تک ختنہ نہ کرو۔ اس عمر کے ہونے کے بعد لڑکے کو اختیار تھا کہ وہ چاہے تو ختنہ کرے یا نہ کرے۔

دولھا دولھن کا کوتوالی میں دکھینا

اس عہد میں حکام کے بے اطلاع کے کوئی شادی نہ ہوتی تھی عوام الناس کی شادی ہوتی تو دولھا دولھن کا کوتوالی میں دکھانا ضروری تھا۔ عورت بارہ برس مرد سے بڑی ہو تو اس کا نکاح اس سے نہیں ہو سکتا تھا۔ چچا اور ماموں کی لڑکی سے

---

[1] آئین اکبری [2] دربار اکبری [3] آئین اکبری اول

شادی ممنوع تھی[1]۔ ان ملازمین کو جو نوشہ کے خاندانی حالات اور عروس کی شکل و صورت و خاندانی وجاہت اور اس کے مزاج کے متعلق معلومات کرتے تھے ان کو توی بیگی کہتے تھے[2]۔ بادشاہ اس دریافت حال کے معاوضہ میں بطور نذر شکریہ ایک رقم وصول فرماتے۔ اس رقم کا ادا کرنا مبارک خیال کیا جاتا تھا۔

بدچلن عورتیں | جو عورتیں بازار میں کھلم کھلا بے برقعہ بے گھونگٹ پھرتی نظر آتی تھیں یا ہمیشہ خاوند سے دنگا فساد کرتی تھیں ان کو شیطان پورہ میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ یہ فرمان تمام ممالک محروسہ کے کارکنان کو بھیج دیا گیا تھا۔

شیطان پورہ | رنڈیوں کو دار الخلافہ میں شہر کے باہر ایک جگہ آباد کیا گیا تھا جس کا نام شیطان پورہ رکھا گیا۔ اس کے لئے قانون سے داروغہ، منشی، چوکیدار مقرر ہوئے۔ جو کسی رنڈی کے پاس آکر رہتا یا گھر لے جاتا وہ اپنا نام کتاب میں لکھواتا۔ بلا اس کے کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ رنڈیاں نئی نوچی کو ہیں بٹھا سکتی تھیں۔ ہاں کوئی امیر چاہے تو حضور میں اطلاع دے پھر لے جائے پھر بھی، اندر ہی اندر کام ہو جاتے تھے۔ پتہ لگ جاتا تو اس رنڈی کو الگ بلاتے اور پوچھتے وہ بتا دیتی تو امیر کو خلوت میں بلاتے اور لعنت ملامت کرتے بلکہ بعضوں کو قید بھی کیا جاتا تھا۔ بادشاہ کی بڑی احتیاط تھی کہ امراء میں سے کوئی وہاں نہ جانے پائے۔ چنانچہ جب بادشاہ نے بیربر کے بارے میں سنا تو تاسف کیا۔ بیربر بھی بہت نادم ہوئے۔ اور کہا میں تو اب جوگی ہو کر نکل جاؤں گا[3]۔

صدق و کذب کا امتحان | قسم کھانے کی جب مٹی پلید ہو گئی اور دیکھا کہ

---

[1] دربار اکبری [2] آئین اکبری اول ص ۲۱۵ [3] دربار اکبری۔

اگا جر مولی کی طرح لوگ قسمیں کھاتے ہیں تو اکبر نے اس کو بند کیا۔ اور اس کے لئے حکم دیا کہ لوہا گرم کرکے رکھیے کھولتے تیل میں ہاتھ ڈالو جل جائے تو جھوٹا[1]۔ لیکن آخر زمانہ میں اکبر نے یہ طریقہ بھی بند کر دیا تھا۔ ہندوؤں کے حلف اور قسم کے آٹھ طریقے تھے۔

حلف اور قسم کے آٹھ طریقے

(۱) اس شخص کا پہلے وزن کیا جاتا تھا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کا کتنا وزن ہے۔ وزن کرنے کے بعد خدا کی عبادت کی جاتی اور فسوں پڑھ کر اس شخص کو دوبارہ تولتے۔ اگر پلہ زیادہ ہو جاتا تھا تو اس کو صادق القول سمجھتے تھے۔ یہ حلف صرف برہمن سے لیا جاتا تھا۔ (۲) سات مقام پر دائرہ کھینچتے اور ہر ایک دائرہ کا فاصلہ ایک دوسرے سے سولہ انگشت کم نہ ہوتا تھا۔ دائرہ کھینچنے کے بعد غسل کرایا جاتا۔ عبادت ہوتی اور منتر و فسوں پڑھ کر اپنے ہاتھوں کو وہاں کی بھوتی سے ملتا اور سات سیر پیل کے پتے اپنے ہاتھوں پر رکھ کر پیپل کے پتے اور ہاتھ کو سات مرتبہ کچے تاگے سے لپیٹ لیتا تب یہ گرم لوہا ان پتوں پر رکھ دیا جاتا تھا اور ملزم اس گرم لوہے کو معہ پتوں کے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر اس صورت سے چلتا کہ ہر قدم اس کا انہیں دائروں میں پڑتا۔ اور آخری دائرہ میں ملزم اپنے ہاتھوں سے اس گرم لوہے کو گرا دیتا تھا اگر ہاتھوں میں جلنے کا نشان ہوتا تو کاذب سمجھا جاتا تھا (۳) پانی میں تا ناف کھڑا کیا جاتا تھا۔ اور ملزم مشرق کی طرف منہ کرکے پانی میں داخل ہوتا اور ایک کمان سے جو ایک سو چھ انگشت لمبی ہوتی اس سے تیر کو جس میں آہنی پیکان نہ ہوتی پھینکتا اور تیز ہوا میں ملزم کے روبرو پانی میں ڈال دیتا۔ اور عجلت کے ساتھ اس کو تیر کر لانے کیلئے روانہ کرتے۔ اور تیر اندازی کی ابتدا سے تیر کے لانے تک اگر ملزم اپنے سر کو پانی میں

---

[1] معیار اکبری ص۵ ایضاً ص۵۲ تاریخ ہنٹر۔

ڈبا کر سانس کو گھونٹنے سے بچاتا تو ملزم راست گو سمجھا جاتا تھا۔ یہ حلف کا طریقہ ولیش کے لئے مخصوص تھا۔ (۴) لبسنت کے زمانہ میں سات جو زہر ہلاہل، پانچ درکر نکھم، چار در برکھا، چھ در سر، سات در سمنت، اور تیس دسسر اور ان تمام اشیاء کے ہم وزن روغن گاؤ سب چیزوں میں ملا کر افسوں پڑھ کے ملزم کو کھانے کے لئے دیتے تھے جس کا منھ دکن کی طرف لازمی ہوتا تھا اور کھلانیوالے کا منھ اُتر یا پورب کی طرف ہوتا تھا۔ اس کے بعد پانچ سو دستک دیجاتی اس اثناء میں اگر اس پر اثر ہوتا تو اس کے بیان کو غلط سمجھا جاتا تھا۔ اس کو بعد میں دوائیں کھلائی جاتی تھیں۔ تاکہ کچھ نقصان نہ پہنچے۔ یہ حلف خاص شدر کیلئے تھا۔ (۵) بت کو غسل دے کر اس کی عبادت کی جاتی۔ اور اس پانی پر افسوں پڑھ کر تین کف ملزم کو پلائے جاتے۔ اگر چودہ روز تک ملزم کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچتا تو اس کو سچا سمجھا جاتا تھا۔ (۶) ساٹھی کے چاول ایک مٹی کے برتن میں ڈالتے اور تمام رات اس کی حفاظت کرتے صبح فسوں پڑھ کر ملزم کا منھ پورب کی طرف کر کے چاول کھلا دیتے تھے۔ اس کے بعد ملزم پیپل کے پتے یا بھوج پتر پر آب دہن ڈالتا۔ اگر آب دہن میں خون کا نشان یا ہونٹوں پر ورم یا لرزہ ہوتا تو ملزم کو دروغ گو سمجھا جاتا تھا۔ (۷) مٹی کے برتن میں جس کی درازی اور وسعت سولہ انگشت ہوتی اس میں روغن گاؤ یا تلی کا تیل چالیس دام جوش دیا جاتا تھا اور ایک ماشہ سونا اس گرم تیل میں ڈال دیتے تھے اگر ملزم سونے کو اپنی دونوں انگلیوں سے نکال لیتا اور انگلیاں نہ جلتیں تو وہ صادق القول مانا جاتا تھا۔ (۸) چاندی کی ایک شکل دھرم کی بنائی جاتی۔ شیشہ اور لوہے سے سفید کپڑے

یا بھوج پتر پر دھرم لکھتے اور سیاہ کپڑے پر ادھرم تحریر کرتے ان دونوں کو ایک مٹی کے کوزے میں جو پانی سے نہ بھیگا ہو ڈال دیتے تھے اور ملزم سے نکلوا لیتے تھے۔ اگر نقش نکوکاری نکلتا تو صداقت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ یہ طریقہ حلف چاروں ذاتوں کے استعمال میں آتا تھا[1]

تنازع حدود پر حلف کا طریقہ

اگر حدود کے بارے میں باہم نزاع ہوتی تو دو یا گواہ یا آٹھ، یا دس گواہ ہوتے جن کو سرخ کپڑا پہنا کر اور سر پر [illegible] رکھ کر سرخ رنگ کے پھول کے ہار ان کی گردنوں میں ڈال دیتے۔ اور گواہوں سے تب کہا جاتا تھا اگر جھوٹ بولو گے تو تمام نیکیاں ضائع جائیں گی

کارروائی عدالت کا طریقہ

مدعی کو بادی اور مدعا علیہ کو پرتی کہتے تھے۔ جو کچھ مدعی بیان کرتا لکھ لیا جاتا تھا اسی طرح مدعا علیہ کا بیان قلمبند کیا جاتا اور پھر ثبوت لیا جاتا۔ گواہ طلب کرتے گواہ چار سے کم نہ ہوتے تین سے بھی کام چل جاتا۔ ثقہ اور معتبر ایک ہی گواہ پر مقدمے کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔

اندھا، لولا، لنگڑا، گونگا، بیمار، قمار باز، مہا پاپی، اور چور کی شہادت ناقابل اعتبار سمجھی جاتی تھی۔ اگر ثبوت و شہادت مکمل نہ ہوتی تو مدعی یا مدعا علیہ دونوں میں سے کسی ایک کو جس کو عدالت چاہتی حلف لے لیتی۔ کمزور، بوڑھے، کم عمر، خاندانی عورتیں عدالت کی حاضری سے مستثنیٰ سمجھی جاتی تھیں۔ ان سے بیان لینے کے لئے ایک معتبر آدمی ان کی جائے رہائش پر جاتا اور ان کا بیان قلمبند کرتا۔

طریقہ ضمانت

اگر مقدمات و معاملات ایک روز میں انجام پذیر نہ ہوتے

---

[1] آئین اکبری۔

توجہ کسی شخص کی ضمانت لے کر ملزم کو رہا کر دیتا تھا۔ اور جب تک پہلے دعوے کا فیصلہ نہ ہو جاتا تھا وہ دوسرے معاملات میں مشغول نہ ہوتا تھا۔

طریقہ عدالت میں تبدیلی اکبر نے جب علماء کی بے لیاقتی اور جاہلانہ سینہ زوری کو ترقی سلطنت میں خلل انداز ہوتے دیکھا تو عدل و انصاف کے کام کو جس کو علمائے شریعت چلاتے تھے خود لے لیا اور اس کو امرائے تجربہ کار اور معاملہ فہم عالموں کی صلاح و مشورہ سے کرتا تھا اور اس محفل کا نام جہاں علماء و امراء کو مشورہ کے لئے بلاتا تھا مجلس گنگاش تھا۔[۵۱]

رسم ستی پر بندش اکبر نے ہندوؤں کی رسم ستی کو روکنے کے لئے انتہائی کوشش کی۔ بار بار حکم نامے جاری کئے اطلاع ملی تو خود روکنے کے لئے گیا۔ چنانچہ راجہ جے مل کی بیوی کو ستی ہونے سے بچانا اکبر کا شاہ محفا۔ اکبر کا قول تھا کہ یہ رسم قدیم ہندوستان سے چلی آتی ہے کہ عورت اپنے شوہر کے مر جانے کے بعد کیا تک ناکامی کی حالت میں زندگی بسر کر سکتی ہے لہٰذا وہ آپ کو آگ میں جلا دیتی ہے اور اس بیش قیمت جان کو کشتا وہ پیشانی کے ساتھ دے دیتی ہے اور عورت اس کو اپنے شوہر کا سرمایۂ نجات جانتی ہے۔ مجھ کو مردوں کی ہمت پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ عورت کے وسیلہ پر اپنی رہائی کے طالب ہوں۔[۵۲]

ستی کے بارے میں اعتقاد ہندوستان میں عورت کے ستی ہونے کا یہ دستور تھا کہ ہندو عورتیں اپنے شوہر کے مرنے کے بعد اس کی لاش کے ساتھ زندہ جل جایا کرتی تھیں۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ عورت اپنے ارادہ سے ستی نہیں ہوتی بلکہ ایسے ارادہ کا آنا تائید غیبی سے سمجھا جاتا تھا

---

[۵۱] دربار اکبری [۵۲] آئین اکبری۔

اور مشہور یہ تھا کہ یہ سب منجانب اللہ ہوتا ہے اور ستی ہونا ایک کرشمہ سمجھا جاتا تھا ستی کی حالت میں لوگ اس عورت سے ڈرتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ اسوقت اس کی زبان سے جو کچھ نکلے گا وہ ضرور پورا ہوگا۔ اسی خیال سے عورت کو ستی ہونے سے منع نہیں کرتے تھے۔ یہ منو کے حکم کے مطابق کیا جاتا تھا۔

ستی کے بارے میں منو کا حکم

منو کا حکم ہے کہ برہمن، چھتری، ویش، شودر چار قوم کی عورتوں کو ستی ہونے کا اختیار ہے۔ مگر وہ عورت جس کا لڑکا چھوٹی عمر کا ہو۔ یا وہ حاملہ اور حیض سے ہو اس کو ستی نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر لڑکے کے پرورش کرنے کا انتظام ہو سکتا ہو تو اس عورت کو ستی ہو جانا چاہیئے۔ زبردستی عورت کو ستی کرنے سے منو نے منع کیا ہے ستی ہونا خاوند کی نجات کا باعث سمجھا جاتا تھا۔

ستی ہونے کا طریقہ

جو عورت ستی ہونے کے لئے تیار ہوتی وہ پوری پوشاک سرخ رنگ کی پہنتی اور سنگھار جیسا کہ شادی میں عورتوں کا کیا جاتا ہے وہ اس کا بھی کیا جاتا تھا۔ اور جس وقت ستی کی حالت میں ہوتی اس وقت کوئی حوائج ضروری جو انسان کو لابد ہیں اس عورت کو نہیں ہوتی تھی۔ ستی ہونے کی خبر بہت جلد گرد و نواح میں ہو جاتی تھی اور جس وقت لاش خاوند کی جلانے کو لے جاتے تھے تو وہ عورت شاداں و فرحاں ناریل کو ہاتھ میں اچھالتی ہوئی چلتی تھی۔ ہزاروں کا ہجوم ہوتا تھا اور جس جگہ لاش کو جلاتے تھے وہاں لکڑیاں، روغن زرد، روئی اور کپاس ہوتی تھی۔ عورت معہ اپنے شوہر کی لاش کے لکڑیوں میں زندہ بیٹھ جاتی تھی اور اس شخص کے

اقربا اس لاش اور عورت کے گرداگرد لکڑیاں چن دیتے تھے اور روئی روغن اس کے اوپر ڈال دیتے تھے۔ تاکہ آگ زیادہ تیز ہو جائے۔ وہ عورت مرد کی لاش کے ساتھ جل جاتی تھی اور چند پشت تک اس خاندان کے آدمی اس ستی کی پوجا کرتے تھے[1]۔

بیوہ کا نکاح ثانی

اکبر نے رسم ستی کے ساتھ نکاح ثانی نہ کرنے جادو ٹونے کو بل پر چڑھانے، کم سنی میں بیاہ کرنے وغیرہ کی بیرحم رسموں کو بھی بند کر دیا تھا[2]۔

رنڈوؤں کی شادی کی ممانعت

زبردستی ستی ہونے کی ممانعت کے ساتھ رنڈوؤں کی شادی کی بھی ممانعت اکبر نے کر دی تھی[3]۔ چنانچہ اس کے دور میں رنڈوؤں کی شادی نہیں ہو سکتی تھی جو کرتا تھا اس سے جواب طلب کیا جاتا اور سزا ملتی تھی۔

جگر خوار ساحروں کا فتنہ

اس زمانہ میں صوبہ ٹھٹھہ سہسوان کے قریب میچور جھیل میں خود ساختہ جزیرے تھے۔ جن میں ایک جزیرہ میں ایک جگر خوار کے فتنہ نے کافی سر اٹھایا۔ یہ ایک انسان ہے جو اپنی نظر اور جادو سے انسان کا جگر نکال لیتا تھا۔ اور تھوڑی دیر اسے اپنی پنڈلیوں میں چھپائے رکھتا تھا۔ اس دوران میں وہ بدنصیب انسان بالکل بیہوش اور غافل ہو جاتا تھا۔ اور کچھ عرصہ بعد مر جاتا تھا۔ اگر حالتِ عمل میں جگر خوار سے پنڈلی کھول کر جگر دانہ چھین لیا جاتا تو وہ انسان مرنے سے بچ جاتا تھا۔ جگر دانہ آگ میں پڑتے ہی طباق کی طرح پھیل جاتا تھا۔ اس طباق نما

---

[1] تاریخ ضلع فرخ آباد مصنفہ کالیرائے [2] تاریخ ہند [3] دربار اکبری۔

روٹی کو جگر خوار اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کھاتا تھا جگر خوار اپنے فن کی تعلیم بھی دیتا تھا۔ تعلیم کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ نو آموزوں کو اس روٹی کا کچھ حصہ کھانے کے لیے دیتا تھا۔ اس کے بعد ان کو منتر سکھاتا تھا۔ اس عمل کی کرنیوالی زیادہ عورتیں تھیں ان کو یہ کمال بھی حاصل تھا کہ یہ لوگ دور دراز سے جو چاہتے وہ منگالیتے تھے۔ اور اگر ان کے جسم میں پتھر باندھ کر انہیں دریا میں ڈال دیتے تو یہ نہ غرق ہوتے تھے جب کسی جگر خوار سے اس کی عمل کی قوت سلب کرنا منظور ہوتا تو اس کی دونوں پنڈلیوں اور جسم کے بقایا جوڑوں پر داغ دیتے تھے اور اس کی آنکھوں میں نمک بھر دیتے تھے۔ بعد ازاں جگر خوار کو زمین کے اندر ایک کمرے میں الٹا لٹکا دیتے تھے۔ اور چالیس شبانہ روز اسے اسی حالت میں پڑا رہنے دیتے تھے اس اثنا میں اس کو جو خوراک دی جاتی تھی اس میں نمک نہیں ڈالا جاتا تھا اور چند اشخاص فسوں پڑھا کرتے تھے۔ اس عمل کے زمانہ میں جگر خوار کو "چھڑہ" کے نام سے یاد کرتے تھے۔[۱] اکبر نے اس فتنہ کا بھی قلع قمع کیا۔

مغلوں کا جیل خانہ

مولانا محمد حسین آزاد مصنف دربار اکبری گوالیار کے قلعہ کو تجربان سلطنت اکبری کا جیل خانہ فرماتے ہیں اور جنرل سلیمن ایک اور قدم آگے بڑھتا ہے۔ وہ اپنی تصنیف ریمبلز اینڈ ریکولیکشن میں لکھتا ہے۔

> دہلی کے بادشاہوں کے ماتحت گوالیار کا قلعہ ہمیشہ ایک شاہی قید خانہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ جہاں حکومت کے مقابل اور بادشاہوں کے رقیبوں کو جن کو وہ زندہ رکھنا چاہتے تھے اور مروانا نہیں

۱؎ آئین اکبری اول ص ۱۰۵۰۔

چاہتے تھے ان کو مقید کیا جاتا تھا۔ وہاں پر ان کی تفریح کے لئے
چڑیا گھر اور دوسری اشیاء مہیا کی جاتی تھیں۔ گوالیار کے جیلخانے
قلعہ کے مغربی جانب بالکل ڈھونڈا دروازے کے اوپر بنے ہوئے
ہیں۔ اُن کو نوچوکی کہتے ہیں جن کا مطلب ۹ کوٹھریاں ہیں اُن میں
کافی روشنی ہے اور ہوا کا گذر بھی معقول و مناسب ہے اُن کی
بلندی ۵۰ سے ۶۰ فٹ کے پیش نظر موسم گرما میں اچھی طرح بند کیا
جاتا تھا۔ یہ وہی شاہی قید خانے ہیں جن میں اکبر نے اپنے باغی چچیرے
بھائیوں کو بند کیا تھا اور اورنگ زیب نے بدبخت دارا کے لڑکے
سلیمان شکوہ اور مراد کے لڑکوں کو قید کر رکھا تھا بلکہ اپنے لڑکے
محمد کو بھی۔

ان ایام میں قلعہ پر سخت پہرا رہتا تھا اور کسی کو بغیر اجازت اندر جانے کی
اجازت نہ تھی۔ سلیمان شکوہ اور بہت سے بڑے بڑے آدمیوں
نے اپنی زندگی کے ایام یہاں ختم کئے۔"

آئین اکبری۔ اول ص ۱۰۵۰

اکبر نے اپنے باغی چچیرے بھائیوں کے علاوہ اپنے دور کے مشہور و معروف
ابوالقاسم مرزا شرف الدین حسین مرزا، مسعود مرزا جیسی ہستیوں کو بھی قلعہ گوالیار میں
مقید کیا تھا جہاں موخر الذکر نے وفات پائی۔

قلعہ بیانہ

اس قلعہ کے علاوہ اکبر نے ہمایوں کے جیل خانہ قلعہ بیانہ میں بھی
لوگوں کو مقید کیا۔ چنانچہ پسر محمد اور محمد سلطان مرزا کو اسی قلعہ میں

قید کیا تھا اور وہیں موخر الذکر نے فرشتۂ اجل سے شناسائی حاصل کی۔

دیوانی مجرموں کا قیدخانہ

دیوانی مجرموں کو کچہری کے دفتر خانہ میں قید کیا جاتا تھا۔ چنانچہ صاحب دربار اکبری لکھتے ہیں کہ جب شیخ عبدالنبی صدر کو مکہ بھیجا تو اہل قافلہ کے خرچ اور وہاں کے علماء و شرفا کے لئے ستر ہزار روپیہ بھی دیا تھا۔ واپس آنے پر ٹوڈرمل کو حکم ہوا کہ حساب سمجھو اور تحقیقات کے لئے شیخ ابوالفضل کے سپرد کیا۔ دفتر خانہ کچہری میں جس طرح اور کروڑ پتی قید تھے اسی طرح یہ بھی قید تھے اور وقت پر حاضر ہوتے تھے۔

جہانگیر۔ اکبر نے علمائے شریعت سے چھٹکارا حاصل کیا تھا۔ ان سے مسند عدل چھین لی تھی لیکن جہانگیر اس مذہب کا فدائی تھا۔ اسی محبت نے باپ کا دل دکھوایا تھا اور اسی محبت نے ابوالفضل کا خاتمہ کرایا تھا۔ وہ بزرگوں کے طریقوں کو کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ان کے طریقوں کو رائج کیا اور ہندوؤں کے فیصلے شاستر کے مطابق برہمن جج سے اور مسلمانوں کے فیصلے شریعت محمدی کے مطابق قاضی سے طے کرانے شروع کر دئیے۔ ان فیصلوں کے خلاف جہانگیر خود اپیلیں سنتا تھا اس نے اکثر محصول جن سے رعیت کو تکلیف پہنچتی تھی اور اکبر کے وقت میں جاری رہ گئے تھے معاف کر دئیے تھے[1]۔ جہانگیر ہی وہ پہلا بادشاہ تھا جس کی ولادت پر اکبر نے تمام ممالک محروسہ کے قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ اور قیدیوں کو رہائی و آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا تھا[2]۔

ناک کان کاٹنا بند

ناک کان کاٹنے کی سزا جو پہلے سے چلی آتی تھی اور غیر معقول تھی اس کو بھی جہانگیر نے ممنوع قرار دیدیا تھا

---

[1] تزک جہانگیری [2] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۵۵

اس کے دور میں لوگوں کو کن کٹا، اور نکٹا نہیں کیا جاتا تھا[1] اور نہ آنکھیں نکالی جاتی تھیں۔[2]

حیوانی کھالوں میں تشہیر

۱۰۱۵ھ میں خسرو اور ان کے ساتھی گرفتار ہو کر دربار عالمگیری میں آئے تو حکم ہوا کہ عبدالرحیم کو گدھے کی کھال اور حسن بیگ کو گائے کی کھال میں کس کر گدھے پر بٹھا کر تشہیر کیا جائے۔ حسن بیگ اس صورت میں چار پہر بھی زندہ نہ رہ سکے۔ عبدالرحیم بمشکل تمام آٹھ پہر زندہ رہ سکے۔ انہوں نے دوران تشہیر میں بھوک اور بے عزتی کے غلبہ میں بازاری فقیروں سے کھیرا لے کر کھایا۔ تشہیر کے بعد مرزا کامران کے باغ کے دروازہ (لاہور) میں دار نصب کئے گئے۔ جہاں خسرو کے بقایا ہمراہیوں کے سروں کو لٹکایا گیا۔

زنانے لباس میں تشہیر

افضل کے دورِ حکومت میں پٹنہ کے اندر ایک فقیر نامی قطب نے خود کو افضل کی موجودگی میں سلطان خرم مشہور کر کے علم فساد بلند کیا ساتھ میں بنارسی اور غیاث بیگ نے ساتھ دیا اور قلعہ پر جا کر قبضہ کر لیا۔ جب افضل خاں واپس آیا اور حملہ آور ہوا تو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ جبلی خسرو، بنارسی اور غیاث بیگ پکڑے گئے حکم ہوا کہ بنارسی اور غیاث بیگ کو عورتوں کا لباس پہنا کر سر اور ڈاڑھی کے بال تراش کر گدھے پر سوار کر کے تشہیر کرو۔ اور پٹنہ سے تشہیر کرتے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں لاؤ۔[3]

انصاف عام

جہانگیر نے اپنے رہنے کے محلوں میں ایک زنجیر سونے کی گھنٹیاں باندھ کر لگادی تھیں اور زنجیر کا دوسرا سرا قلعہ کے

---

[1] منتخب اللباب اول مصنفہ خفی خاں ص۲۷۶ [2] ایضاً (۲۴۸) [3] منتخب اللباب اول مصنفہ خفی خاں

باہر لٹکوا دیا تھا کہ فریادی کو اگر کوئی پیادہ اور چوب دار بادشاہ تک نہ پہنچنے دیں تو وہ اس کی زنجیر کو ہلا دیتا۔ جہانگیر گھنٹیاں بجتے ہی باہر نکل آتا تھا[۱]

مردہ خاوند کیساتھ عورت زندہ درگور

جہانگیر جب موضع ٹھٹہ میں پہنچا تو اس کو معلوم ہوا کہ یہاں کے باشندے جن کو سلطان فیروز شاہ نے مسلمان کیا تھا۔ جاہلیت کے زمانہ کے رسم و رواج میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بجائے خاوند کے ساتھ جلنے کے مردہ خاوند کے ساتھ زندہ عورت درگور ہو جاتی ہے اور بعض لڑکی کے پیدا ہونے پر اس کو پوشیدہ طور پر مار ڈالتے ہیں۔ نیز ہندوؤں کے ساتھ رشتہ کر لیتے ہیں۔ بیٹی دے بھی دیتے ہیں اور لے بھی لیتے ہیں۔ ان حالات کے ساتھ جب جہانگیر کو یہ بتایا گیا کہ انہی دنوں میں ایک دس بارہ برس کی زندہ لڑکی اپنے ہم عمر مردہ شوہر کے ساتھ قبر میں دفن کی جا چکی ہے تو اس نے حکم دیا کہ اگر اس قسم کی حرکت دوبارہ ہو تو سخت سزا دینی چاہیئے[۲]

جہانگیری قلمرو سے سیوڑوں کا اخراج

ہندوؤں میں سیوڑہ ایک گروہ عہد جہانگیری میں تھا جو سر ننگا برہنہ رہتا نہ سر کے بال رکھتا اور نہ ڈاڑھی مونچھیں رکھتا تھا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی جاندار کو ستانا نہیں چاہیئے۔ اس گروہ کو بنئے اپنا پیر و مرشد سمجھتے تھے۔ ان کو قابل سجدہ اور قابل پرستش مانتے تھے اور اپنی بیوی اور لڑکیوں کو ان کی خدمت میں بھیجتے تھے جہاں حیا و ناموس کی پرواہ نہ ہوتی تھی اور وہ ان سے بدفعلی بھی کرتے تھے[۳]

---

۱ منتخب اللباب اول ص۲۴۵ ۲ تزک جہانگیری (۳۱۷) ۳ ایضاً ۴ منتخب اللباب جلد اول

نیز یہ لوگ اِس قسم کی حرکتیں کرتے تھے جس سے امن عامہ میں خلل واقع ہوتا تھا اور اندیشۂ فساد رہتا تھا۔ اس لئے جہانگیر نے اس متنفی گروہ کو اپنی قلمرو سے خارج کرنے کا حکم دے دیا تھا اور چاروں طرف یہ فرمان بھیجا تھا کہ یہ لوگ جہاں قلمرو میں ملیں ان کو قلمرو سے باہر کر دو[1]

نوعمر بچوں کی خرید و فروخت بند ہندوستان اور خاص طور پر سلہٹ نبگالہ میں یہ پرانی رسم چلی آتی تھی کہ لوگ خواجہ سراؤں سے اپنی حاجت کے مطابق مال لے کر اپنے نوعمر بچوں کو ان کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ جن سے بچے ضائع اور مقطوع النسل ہو جاتے تھے۔ یہ وبا جب چاروں طرف پھیلنے لگی تو جہانگیر نے فرمان جاری کیا کہ آئندہ یہ امر قبیح عمل میں نہ آئے۔ ورنہ سزا دی جائے گی[2]

تمباکو پینے کی ممانعت عہد جہانگیری میں تمباکو پینے کا رواج شروع ہوا تھا۔ کچھ دن چلا، اس کے ضرر معلوم ہوئے اور اس کی تصدیق شاہ عباس نے بھی کی تو جہانگیر نے اس کا پینا ممنوع قرار دے دیا۔ خان عالم اس کے بہت عادی تھے۔ یہ خبر جہانگیر نے شاہ عباس کو پہنچوائی تو انہوں نے خان عالم کو حسب ذیل بیت بھیجا۔

من از شمع وفا روشن کنم بازار تمباکو ... رسول یار میخواہد کند اظہار تمباکو

خان عالم کب چوکنے والے تھے، انھوں نے بھی جواب میں بیت ارسال کیا۔

من بیچارہ عاجز بودم از اظہار تمباکو ... ز لطف شاہ عادل گرم شد بازار تمباکو

تمباکو نوشی پر ہونٹ کاٹنا تمباکو نوشی کے ممنوع ہونے کے بعد بھی

---

[1] تزک جہانگیری [2] منتخب اللباب جلد اول خفی خان (۲۹۲) [3] تزک جہانگیری

لوگوں نے تمباکو پینا نہ چھوڑا تو جہانگیر نے حکم دیا کہ جو کوئی تمباکو پیئے گا اس کے ہونٹ کاٹ دیے جائیں گے۔ اکثر اشخاص کو جنہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔ اُن کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے شہر کے چاروں طرف پھرایا گیا۔

قلعہ گوالیار

جہانگیر اپنے متقدمین کے نقش قدم کے مطابق باغیوں اور سلطنت کے مجرموں کو قلعہ گوالیار میں مقید کرتا تھا۔ چنانچہ خان اعظم پیر شیخ احمد سرہندی برادر زادہ راجہ نرسنگھ دیو اور ایک آفریدی چیف کو اسی قلعہ میں بند کیا تھا۔

قلعہ رن تھنبور

اس قلعہ کے علاوہ سلطنت کے باغی قلعہ رن تھنبور میں بھی قید کئے جاتے تھے۔ چنانچہ خان اعظم جب قلعہ گوالیار میں مقید تھے تو ان کے لڑکے عبداللہ کو قلعہ رن تھنبور میں قید کیا گیا تھا۔ اس قلعہ میں کتنے قیدی رہتے تھے۔ یہ تزک جہانگیری کی حسب ذیل عبارت سے واضح ہو جاتا ہے۔ جہانگیر لکھتا ہے۔

جب میں قلعہ دیکھنے سے فارغ ہو گیا تو میں نے حکم دیا کہ مجرموں کو جن کو اس قلعہ میں قید کر رکھا ہے حاضر کرو تاکہ میں ہر ایک کا مقدمہ سن کر عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کروں۔

قلعہ لاہور

لاہور کا قلعہ بھی جہانگیر نے قید کے لئے استعمال کیا تھا۔ چنانچہ خسرو کے لڑکے کو اسی قلعہ لاہور میں قید کیا گیا تھا۔ ممکن ہے اور حضرات بھی اس قلعہ میں قید کئے گئے ہوں۔

شاہجہاں کے دور میں عدل و انصاف کے طریقوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی

جہانگیر نے جو طریقے رائج کئے تھے ان طریقوں پر شاہجہاں نے کم و بیش عمل کیا تھا البتہ اس نے ظالم حاکم کی سزا انوکھی اور بے حد موثر تجویز کی تھی چنانچہ اس کا خاص وصف یہی تھا کہ وہ ظالم حاکموں اور ملازموں کو سخت سزا دیتا تھا[1]

ظالم حاکم کی آستین میں سانپ چھوڑنا

وقائع نگار نے شاہجہاں کو مطلع کیا کہ محمد امین متصدی بندر سورت تشخیص مال اور دیگر چیزوں میں سختی کرتا ہے۔ اور اس کی زیادتیوں سے لوگ تنگ آ چکے ہیں۔ بادشاہ نے فوراً اس کی جاگیر و منصب ضبط کر کے گرفتاری و حاضری کا حکم دیا۔ حاضری پر سزا تجویز ہوئی کہ اس ظالم کی آستین میں سر دربار سانپ چھوڑا جائے۔ تمام درباری اس حکم سے لرز اٹھے۔ چنانچہ امرا سفارش کے لئے بڑھے مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ متصدیوں اور محمد امین کے حامیوں نے جب دیکھا کہ اس کی جان بخشی کی امید نہیں ہے تو جہانگیر کی بڑی بیٹی شہزادی بیگم جس کی جاگیر میں بندر سورت تھا، کی خدمت میں گئے اور ایک سفارشی رقعہ لکھوا لائے اور بادشاہ کی خدمت میں گذرانا۔ جب بادشاہ نے اس رقعہ کو پڑھا تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اُس نے محمد امین کو تو حوالات میں بھیج دیا اور خود محل میں گیا اور شہزادی بیگم کو بلا کر سمجھایا کہ بے شک بندر سورت تمہاری جاگیر ہے۔ مگر یہ بات بھی بھولنے کی نہیں ہے کہ رعایا گذار رعیت ملک کی آبادی کا باعث اور شاہی خزانہ و لشکر کی افزونی کا باعث ہوتی ہے تم نے سوچے سمجھے بغیر ایسے ظالم کی سفارش کی جو محض اظہارِ خیر خواہی کی خاطر میری مفلس رعایا کو برباد کرتا رہا ہے۔ اور تشخیص محصول میں ایسی سختی کی ہے کہ بہت سے غریب لوگوں نے مجبور ہو کر اپنے خورد سال بچے عیسائیوں کے ہاتھ فروخت کر کے

---

[1] تاریخ اورنگ زیب پروفیسر جادوناتھ سرکار سوم ص۱۲۳۔

سرکاری محصول ادا کیا ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ بندر سورت ہفت اقلیم کے لوگوں اور سوداگروں کے آنے جانے کی جگہ ہے۔ جب قرب و جوار کے بادشاہوں کو اس حال کی اطلاع ہوگی تو میری اور تمہاری کس قدر بدنامی ہوگی۔ کچھ عجب نہیں کہ خدائے تعالےٰ کا غضب بھی نازل ہو جائے۔ بادشاہوں کا فرض ہے کہ وہ ستم رسیدہ رعایا کی دادخواہی کریں ؎

مدہ رخصت ظلم در ہیچ حال — کہ خورشید مملکت نیابد زوال
خرابی زبیداد بینند جہاں — چوں بستاں خورم زباد خزاں
بازارِ مظلوم مائل مباش — ز دودِ دل خلق غافل مباش

دوسرے دن بادشاہ دربار میں آیا اور حکم دیا کہ محمد امین کو اسی وقت اس کے سامنے لایا جائے اور اس کی آستین میں سانپ چھوڑا جائے۔ تمام درباری دہل گئے کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ منھ سے ایک لفظ بھی نکال سکے۔ اتنے میں نواب سعداللہ خاں نے نائب داروغہ رگھناتھ رائے نے آکر سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر نہایت عجز و انکساری کے ساتھ کہا۔

جہاں پناہ کے دولت و اقبال کا آفتاب ہمیشہ نصف النہار پر رہے۔ اگرچہ ظالم کی سفارش کرنا خود بھی اس کے ظلم میں شریک ہونا ہے مگر بندگان عالی یہ تو خیال فرمائیں کہ غریب رعایا کا بہت سا روپیہ اس ظالم کے ذمے ہے جب تک پوری تحقیقات نہ ہو اور مظلوموں کا روپیہ واپس نہ کیا جائے اس وقت تک اس کا ظلم برقرار رہے گا۔ اس لئے اگر آپ ان لوگوں کے لئے انصاف کرنا چاہتے ہیں تو اسکے قتل میں تامل فرمائیں۔

اس درخواست کا بادشاہ پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس نے محمد امین کو راجہ رگھناتھ کے سپرد کیا کہ وہ تحقیقات کرے۔ اور جس قدر روپیہ رعیت سے زیادہ لیا گیا ہے اس سے واپس کرائے۔ راجہ رگناتھ رائے نے ایسا ہی کیا۔ جس جس سے جتنا زیادہ وصول کیا گیا تھا واپس کرایا۔[1]

فقیر و رعایا پر زیادتی کا انسداد

شاہجہاں کے دور میں ہگلی بندر کے عیسائیوں کے جب مظالم اس حد تک پہنچ گئے کہ انہوں نے سلطنت کے احکام سے لاپرواہی برت کر انحراف کرنا شروع کیا۔ گرد و نواح کے شہروں کی رعایا پر زیادتیاں کیں اور مرنے والوں کا مال ضبط کرنا، متوفی کے نابالغ ہندو مسلم بچوں کو عیسائی بنانا، ہر راہ گیر سے محصول لینا، اپنے ملک میں کسی فقیر کو قدم نہ رکھنے دینا، غلطی سے داخل ہونے پر ہندو فقیر کو تکلیف دے کر مارنا اور مسلمان داخل ہونے والے کو قید و تکلیف دے کر چھوڑنا انتہا کو پہنچ گیا تو شاہجہاں نے اس کا قلع قمع کرنے کے لئے قاسم خاں کو مقرر کیا۔ قاسم خاں نے نصرانیوں کا تین ماہ محاصرہ کیا۔ قلعہ سے نکل کر پچاس ہزار افراد نے قاسم خان کی امان میں پناہ پائی۔ دس ہزار فرنگی تباہ ہوئے۔ ایک ہزار چار سو فرنگی اور وہ جمعیت جو بجبر عیسائی بنائی گئی قید ہوئے اور دس ہزار کے قریب وہ بے گناہ لوگ آزاد ہوئے جن کو عیسائیوں نے قید کر رکھا تھا۔[2]

شاہجہاں بھی قیدیوں کو قلعہ گوالیار میں مقید کرتے تھے۔ چنانچہ خفی خاں (جلد اول ص ۴۰۸) منتخب الباب میں لکھتا ہے۔

شاہجہاں جب قلعہ گوالیار کی سیر کر چکے تو انہوں نے قیدیوں پر

---

[1] منتخب الباب اول (۷۵۱ تا ۷۵۳) [2] ایضاً (۴۰۸)

مہربانی فرمائی۔ جن مکانوں میں قیدی محبوس تھے ان پر بھی نظر ڈالی اور چند ایک قیدیوں کو چھوڑ کر جو شرعاً اور عرفاً سزا کے مستحق تھے بقایا تمام قیدیوں کو جو مدت مدید سے قید کے عذاب میں مبتلا تھے رہا کیا۔

جسمانی سزاؤں کا خاتمہ

عہد عالمگیری اقتدار اور طاقت اور وسعت سلطنت کے اعتبار سے اس سلسلہ میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں جسمانی سزاؤں کو یک قلم موقوف کر دیا تھا۔ عالمگیر سوائے چور سے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے، ناک، کان، ہونٹ، زبان، انگلی کاٹنے کی جسمانی سزا نہ دیتا تھا۔ وہ ان سزاؤں کو خلاف شرع سمجھتا تھا۔ چنانچہ لین پول مصنف سوانح عمری عالمگیر جس نے عالمگیر کی حمایت کے رنگ میں عالمگیر کو بدنام کرنے کی کافی کوشش کی ہے اور مظالم کی داستانیں ان سے وابستہ کی ہیں وہ بھی عالمگیر کو جسمانی سزاؤں کا دشمن سمجھتا ہے اور عالمگیر کے عدل و انصاف کے بارے میں لکھتا ہے۔

مغل اعظم کا عدل دریائے اعظم ہے۔ نپے تلے انصاف سے وہ عموماً تجویز کرتا ہے کیونکہ شہنشاہ کے حضور میں سفارت امارت اور منصب کی کچھ نہیں چلتی بلکہ ادنے سے ادنے آدمی کی اورنگ زیب اس مستعدی سے بات سنتا ہے جس طرح بڑے سے بڑے امیر کی سیاح بھی مخالفانہ نکتہ چینی اورنگ زیب کے چال چلن پر ایسی زمانہ تک جبتک کہ وہ شہزادہ تھا لیکن وہ سیاح جس وقت اس کے زمانہ شہنشاہی کا حال لکھتے ہیں تو سوائے کلمات تحسین کے اور کچھ نہیں لکھتے۔ اسکی پچاس برس کی دراز

تو حکومت میں ظالمانہ فعل بھی اسکے خلاف ثابت نہیں ہو سکتی کہ ہندوؤں کے ستانے میں
بھی اسکی پابندی کا ایک جزء تھا سبکو تسلیم ہے کہ کوئی قتل یا جسمانی تکلیف رسانی پیش نہیں آتی۔

البتہ عالمگیر کی پچاس برس کی حکومت کا صرف ایک مستثنیٰ واقعہ ہے۔جب دربار عالمگیر میں سرمد حاضر کیا گیا اور اس نے زندہ زندہ عالمگیر کو سخت گالیاں دیں تو عالمگیر نے زبان کاٹنے کا حکم دیا پھر آنکھیں نکلوا کر قتل کیا۔ اس سزا کے علاوہ عالمگیر نے کبھی کوئی وحشیانہ سزا نہیں دی[لہ]

چوری کے الزام میں پتہ نکالنا

عالمگیر کے شروع زمانہ میں علی نقی دیوان شیر محمد مراد بخش نے ایک فقیر کو چوری کے الزام میں بلا تحقیق پتہ نکالنے کی سزا دی۔ یہ دیوان معمولی جرموں پر پتہ نکالنے کی سزا دینے لگا تھا جب یہ سزا اُس فقیر کو دی جا رہی تھی تو اُس نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ مجھ کو ناحق و بے قصور مارا گیا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ تو بھی تہمت میں بلا قصور مارا جائے گا۔

علی نقی کا یہ ظلم یقیناً اس قابل تھا کہ اس کا عالمگیر کو علم ہوتا تو وہ اسکی سخت سزا دیتا۔لیکن فقیر کی بددعا جلد کارگر مقبول ہوئی اس نے عالمگیر کی تعزیر کا انتظار نہ کیا۔قدرت نے انصاف کیا۔

خیانت کی سزا قتل

ایک خواجہ سرائے جو اس کا دشمن تھا اس نے ایک جعلی خط دارا شکوہ کے نام لکھا اور اس کو علی نقی کے نام سے منسوب کیا۔قاصد کے حوالہ کیا اور اس کو تاکید کی کہ ملاں چوکی سے جہاں سخت پہرہ ہے اور خاص طور پر خطوط کی تلاشی ہوتی ہے لیجائے

لہ اورنگ زیب پر ایک نظر مصنفہ مولانا شبلی مرحوم

قاصد خط لے گیا۔ چوکی پر پہنچا تو تلاشی میں خط پکڑا گیا۔ خط محمد مراد بخش کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اُس نے جب پڑھا تو آگ بگولہ ہوگیا۔ دارا شکوہ سلطنت کے دشمن سے سازش کی جا رہی تھی۔ فوراً علی نقی کو بلایا۔ حاضر ہوا تو محمد مراد بخش غضبناک انداز میں اُس سے مخاطب ہوا۔ بتاؤ جو شخص ارادتاً نمک حرامی کا قصداً اپنے ولی نعمت کے خلاف کرے تو اُس کو اُس کی کیا سزا ملنی چاہئے۔ علی نقی نے اپنے آپ کو خیانت سے پاک سمجھتے ہوئے جواب دیا کہ سیاست جو سزا تجویز کرے وہ ملنی چاہئے۔ اس کے بعد مراد بخش نے وہ خط علی نقی کو دکھایا۔ اس نے انکار کیا کہ کوئی شخص اپنے آقا کے خلاف یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ خود ایسا خط لکھ کر بھیجے اس جواب سے مراد بخش اور چراغ پا ہوگیا۔ اس کے ہاتھ میں برچھی تھی اُس نے طیش میں علی نقی کے سینہ میں ماری۔ قتل کا اشارہ ہو چکا تھا اس لئے حاضر خواجہ سرائے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ (منتخب اللباب جلد دوم ۹۰۸)

عدل وانصاف

دن میں دو مرتبہ دربار عام کرتا تھا اور مطلق کوئی رکاوٹ کسی دادخواہ کو نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر جیلی کریری نے اڑسٹھ برس کی عمر میں عالمگیر کو دیکھا تھا وہ بیان کرتا ہے۔

> وہ صاف ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا ہوا تھا وہ دادخواہوں کی عرضیاں لیتا جاتا تھا اور بلا عینک پڑھ کر اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا اور اُس کے ہشاش بشاش چہرے سے صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شاداں

۵۱۔ فتوحات عالمگیری ۲۷۶۔

وفرحال ہے۔ (تاریخ الفنسٹن صفحہ ۲۴۳)

پسر عالمگیر پر قتل کا الزام

مرزا کام بخش عالمگیر کا نہایت چہیتا بیٹا تھا اسکے اوپر قتل کا الزام عائد ہوا تو عالمگیر نے حکم دیا کہ عدالت میں تحقیقات کی جائے۔کوکہ اس کی حمایت میں آیا۔ عالمگیر نے معہ کوکے کام بخش کو دربار میں بلایا اور حکم دیا کہ کام بخش کے ساتھ کوکہ کو بھی قید کیا جائے چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔

اسی طرح سادات کی فوج درباریوں سے لڑی تو عالمگیر نے حکم دیا کہ قاضی کے محکمہ میں مقدمہ پیش ہو۔ سادات نے کہا کہ ہم خود اپنا فیصلہ کریں گے۔ عالمگیر نے آستین چڑھا کر کہا کہ جو لوگ میری تلوار کا مزہ چکھ چکے ہیں وہ شریعت کے معاملہ میں ایسے الفاظ نکالتے ہیں۔ فوراً سب کو مل کر محکمہ قاضی میں جانا چاہئے۔

اپنے حملہ آور کو معافی

۱۰۸۳ھ میں عالمگیر نفر عید کی نماز پڑھنے جا رہا تھا کہ واپسی میں ایک شخص نے لکڑی پھینک کر ماری جو عالمگیر کے زانو پر لگی۔گرز بردار اس کو گرفتار کر لائے۔ عالمگیر نے کہا چھوڑ دو۔

سنہ ۳ جلوس عالمگیری میں جب بادشاہ جامع مسجد سے واپس آرہا تھا تو ایک شخص تلوار علم کئے اس طرف دوڑا۔ لوگوں نے اُس کو گرفتار کیا اور قتل کر دینا چاہا۔ عالمگیر نے روکا اور آٹھ آنہ یومیہ روزینہ اس کا مقرر کیا[۱]۔

بادشاہ کے خلاف دادرسی

سنہ ۱۰۸۲ھ میں یہ فرمان جاری ہوا کہ تمام اضلاع میں سرکاری وکیل مقرر کئے جائیں اور عام منادی کرا دی جائے کہ جس کسی کو بادشاہ پر کوئی دعویٰ پیش کرنا ہو تو

---

[۱] مآثر عالمگیری۔

سرکاری وکیل اس کی جوابدہی کرے گا۔ اور اس کا کافی ثبوت ہوگا تو سرکاری وکیل سے مطالبہ وصول کرے[1]

جب عالمگیر کا یہ فرمان چاروں طرف پھیل گیا تو محمد محسن پسر حاجی زاہد ملک التجار و پسر پیرجی بھورہ تاجران بندر سورت نے غیاث الدین خاں متصدی بندر مذکورہ کی تعدی دیکھتے ہوئے عالمگیر کی خدمت میں ایک استغاثہ محمد علی خاں کی معرفت پیش کیا کہ خواجہ شہباز نے بندر سورت کی تسخیر و فتح کے بعد تاجران بندر سورت کو جمع کر کے دس لاکھ روپے بطور قرض طلب کیا تھا۔ حاجی زاہد اور پیرجی بھورہ نے تاجران بندر سورت کی طرف سے پانچ لاکھ روپے بطور قرض دئے اور تمسک محمد مراد بخش سے حاصل کیا۔

خواجہ شہباز نے وہ روپیہ خرچ نہیں کیا بلکہ اسی طرح اشرفیاں سرکاری خزانہ میں داخل کر دی گئی تھیں جو اب تک سر بہ مہر صندوق میں مراد بخش کے متصدیوں کے پاس رکھی ہیں۔

چونکہ عدل و انصاف کے سلسلہ میں جناب کا نیا حکم جاری ہوا ہے اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ رقم مطلوبہ واجب دلائی جائے۔ عالمگیر نے ثبوت مانگا اور کہا کہ ثبوت دو اور لے جاؤ۔ چنانچہ فتاوے عالمگیری کی اس عبارت کا حوالہ دیا گیا کہ "میت کے ترکہ پر وارثوں میں سے اگر ایک بھی قابض ہو تو میت کا قرض ان پر واجب و لازم ہے"

عالمگیر نے غور و فکر مطالعہ و تامل کے بعد قرض مذکور کے ادا کرنے کا فیصلہ دیا۔ محمد محسن نے دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کی کہ فدوی کا مطلب

---

[1] منتخب اللباب جلد دوم ۲۴۹۔

یہ تھا کہ اپنا حق ظاہر کر کے یہ رقم عدل پرور بادشاہ پر نثار کرے اس لئے یہ رقم حضور کی نذر ہے۔

تب عالمگیر نے محمد محسن کو خلعت میں گھوڑا اور ہاتھی عطا کیا اور غیاث الدین متصدی بندر سورت کو تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ (منتخب اللباب خفی خاں دوم ۱۲۵۰-۲۵)

محکمہ احتساب احتساب کا مستقل محکمہ قائم ہوا اور اصلاع میں محتسب مقرر ہوئے جن کا کام یہ تھا کہ وہ لوگوں کو منہیات و ممنوعات سے باز رکھیں اور قمار بازی اور شراب خواری کے مقامات تلاش کر کے اس کو نیست و نابود کریں، عالمگیر نے ایک فرمان اس قسم کا جاری کیا تھا کہ کوئی شخص گائے یا ناچے نہیں۔ محل سراؤں میں جتنے گوتے تھے ان سب کو موقوف کر دیا تھا۔ محکمہ احتساب کے افسر ملا وجیہ الدین[۱] تھے، اس عہد سے قبل شرعی مقدمات کے فیصلے کے لئے کوئی ایسی جامع اور مانع کتاب فقہ کی موجود نہ تھی جس میں تمام مسائل جمع کئے گئے ہوں اور جن سے ہر شخص آسانی مسائل کا استخراج کر سکے۔ عالمگیر نے تمام علماء و فضلاء کو جمع کر کے تصنیف کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا۔ جس کے افسر ملا نظامی تھے۔ اس کام کے لئے شاہی کتب خانہ جس میں بے شمار کتابیں فراہم تھیں وقف کر دی گئیں۔ سات آٹھ برس کی مسلسل محنت کے بعد وہ کتاب تیار کی گئی جو[۲] آج عالمگیری کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے حالانکہ علماء کی تنخواہیں کچھ زیادہ نہ تھیں۔ روزینہ تین روپے[۳] تھا

اس جامع کتاب میں جہاں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ایمان، طہارت،

---

[۱] منتخب اللباب (۸۰) [۲] خفی خاں جلد دوم ص ۲۵۱ [۳] مآثر الامراء۔

نکاح، طلاق، جہاد، زباح، رہن، بیع کے مسائل ہیں وہاں حدود و تعزیر قضا و پنچایت کے طریقے بھی درج ہیں جو حنفیہ کی رو سے جائز تھے اور جن کو سامنے رکھ کر قاضی فیصلے دیا کرتا تھا۔ عالمگیری کتاب الحدود، کتاب القضاء، کتاب الشہادت، کتاب الجنایات، کتاب الدیات کے اقتباسات ملاحظہ ہوں

قاضی کا عہدہ

قاضی متقی اور پرہیزگار آدمی مقرر ہوتا تھا۔ جو شخص فاسق و فاجر ہوتا تھا اس کو قضا کا منصب نہ دیا جاتا تھا۔ نیز غلام، مخنث، سود خوار، شرابی، چوسر اور شطرنج کے کھیلنے والے اور راستہ میں کھانے والے کو بھی قاضی نہ بنایا جاتا تھا۔

عہدہ قضا کے بارے میں یہ نظریہ تھا کہ اس کو خود نہیں لینا چاہئے لیکن جس کو اپنے نفس پر اعتماد ہو کہ وہ عدل و انصاف کے کام کو سنبھال سکتا ہے ۔۔۔ اور ڈانواں ڈول نہ ہوگا وہ اس خدمت کو لے سکتا ہے۔

قاضی مسجد میں یا اپنے مکان پر یا کسی سرکاری جگہ پر بیٹھ کر فیصلہ کیا کرتا تھا متنازعات کے فیصلے کرانے کے لئے کوئی تخصیص نہ ہوتی تھی ہر خاص و عام کے لئے انصاف کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔

قاضی مدعی اور مدعا علیہ کو سامنے عدالت کے بٹھاتا تھا۔ خواہ وہ بادشاہ ہو یا غلام۔ کسی سے سرگوشی نہ کرتا اور نہ ہی عدالت میں مزاح کرتا نہ کسی کو وکیل و حجت بناتا۔ انتہائی غیر جانبدارانہ طریقہ سے واقعاتِ مقدمہ سنتا تھا۔

شہادت

زنا کے مقدمہ میں چار مرد گواہ، اور قصاص اور حدود میں دو گواہ شہادت کے لئے ضروری تھے۔ ان امور

میں عورتوں کی شہادت جائز نہ تھی۔ البتہ عورتوں کی ان چیزوں میں جن میں مردوں کو کچھ واقفیت کا امکان نہ ہو لی جاتی تھی۔ مثلاً کنواری ہونے اور جننے کے بارے میں ان کی گواہی معتبر مانی جاتی تھی اور صرف ایک عورت کی شہادت کافی سمجھی جاتی تھی۔

مقدمات مالی و غیر مالی میں بھی ان کی شہادت قابل اعتبار ہوتی تھی۔ دو مرد شاہد نہ ہوتے تو ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت پر فیصلہ ہو جاتا۔

فاسق و فاجر، غلام، مخنث، گانے والی عورت، مرغ باز، کبوتر باز، سود خوار، شرابی، چوسر اور شطرنج کے کھلاڑی، نماز فوت کرنے والے، راستہ میں پیشاب کرنے والے اور سور کھانے والے یا علانیہ صحابہ کرام کو گالیاں دینے والے کی شہادت نہ لی جاتی تھی۔

نادہندگی سزا قید نادہندگی کی صورت میں مدعی مدعا علیہ کے خلاف مدعا علیہ کو قید کرنے کی درخواست دیتا تھا۔ تب قاضی جتنی مدت کے لئے مناسب سمجھتا تھا قید کر دیتا تھا۔ نادہندگی۔ مہر معجل زر ضمانت، نفقہ زوجہ، نفقہ اولاد، ذمی کا قرض نہ دینے کی صورت میں سمجھی جاتی تھی۔ اگر مفلسی ہوتی تو نادہندگی کا اطلاق نہ ہوتا تھا۔ اور اس مفلس کو مقید نہ کیا جاتا تھا

پنچایت پنچایت سے بھی فیصلے کئے جاتے تھے۔ لیکن پنچ کا رتبہ قاضی سے کم ہوتا تھا۔ اس لئے کہ قاضی کا حکم عام مانا جاتا تھا اور پنچ کا حکم اسی کے لئے مخصوص ہوتا تھا جس نے اس کو پنچ مقرر کیا ہے پنچ مدعی اور مدعا علیہ مقرر کرتے تھے اور ان کا حکم ماننا ان دونوں

کے لئے ضروری تھا۔ مدعی اور مدعا علیہ کو اختیار تھا کہ پنچ کے فیصلہ سے پہلے دونوں یا دونوں میں سے ایک پنچایت سے منحرف ہو جائیں۔

اگر پنچ کے حکم کا مرافعہ قاضی کے سامنے پیش ہوتا تو وہ قانون سے مقابلہ کرتا۔ قانون کے خلاف ہوتا تو مسترد کر دیتا تھا۔

شادی شدہ زانی کی سنگساری

جو شادی شدہ شخص زنا کے الزام میں گرفتار ہوتا اور اس کا جرم پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا تو اس کو سنگسار کیا جاتا تھا حتیٰ کہ وہ مر جاتا تھا۔ سنگسار کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے گواہ پتھر زانی کے مارتے تھے۔ پھر حاکم اس کے بعد اور لوگ۔ اگر گواہ سنگسار کرنے سے انکار کرتے یا غائب ہو جاتے یا مر جاتے تو یہ حد ساقط ہو جاتی تھی۔ عورت کو سنگسار کرنے کے لئے ایک گڑھا کھودا جاتا تھا جو اس کی چھاتی تک ہوتا تھا۔

اگر زانی خود جرم زنا کا اقرار کرتا تو اس صورت میں حاکم اس کے پہلے پتھر مارتا اور پھر اور لوگ۔ مرنے کے بعد اس کو غسل دیا جاتا تکفین کی جاتی اور نماز پڑھی جاتی تھی۔

غیر شادی شدہ زانی کو سزائے تازیانہ

اگر زانی غیر شادی شدہ اور آزاد ہوتا تو سو کوڑے اور غلام ہوتا تو پچاس کوڑے لگائے جاتے تھے۔ کوڑے کی چوٹی میں گرہ نہ ہوتی تھی۔ ضرب متوسط ماری جاتی تھی۔ نہ بہت آہستہ اور نہ بہت زور سے۔ مرد کے کپڑے اتروا لئے جاتے تھے۔ سر، شرمگاہ اور چہرہ کو بچا کر تمام بدن پر علیحدہ علیحدہ

کوڑے لگائے جاتے تھے۔ بغیر مدد کے مرد کو کھڑا کیا جاتا تھا۔ زمین پر لٹا کر یا گھسیٹ کر نہ مارا جاتا تھا۔ اور نہ کوڑا مارنے کے وقت ہاتھ کو سر پر کھینچتے تھے تاکہ ضرب شدید نہ پہنچے اور کوڑے کو مار کر بھی نہ گھسیٹتے تھے کہ زخمی نہ ہو جائے مالک بغیر بادشاہ کے حکم کے اپنے غلام کے کوڑے نہ مار سکتا تھا۔

عورت کے کپڑے اتارے نہیں جاتے تھے سوائے پوستین اور روئی دار کپڑوں کے عورت کو کوڑے بٹھا کر مارے جاتے تھے۔ غیر محصن کو اگر حاکم مصلحتاً چند روز کے لئے جلاوطن کرنا چاہتا تو کر دیتا تھا۔

بیماری کی صورت میں سنگسار کر دیا جاتا تھا البتہ کوڑے نہیں لگائے جاتے تھے جب تک زانی اچھا نہ ہو جاتا تھا۔ یہ اس لئے کیا جاتا تھا کہ سنگسار کرنے میں مقصود مار ڈالنا ہوتا تھا جس میں بیمار اور تندرست سب برابر ہیں۔ اور کوڑے مارنے کی غرض جھڑک دینا ہے نہ کہ مارنا۔ حالت بیماری میں مر جانے کا خوف ہوتا تھا اس لئے تندرست ہونے کا انتظار کیا جاتا تھا۔

حد سے بریت کی صورت اگر زنا میں شبہ پیدا ہو جاتا یا چار گواہ چشم دیدنہ ہوتے یا دیوانہ یا لڑکا بالغہ سے زنا کرتا یا جو عورت مرد پر حرام ہوتی اس سے نکاح کر کے صحبت کرتا تو اس پر حد قائم نہ ہوتی۔

زنا کے مقدمہ میں اندھے گواہ یا کسی زنا کے بہتان میں سزا خوردہ گواہ یا بدکار گواہ کی شہادت قطعاً نہ لی جاتی تھی۔ اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ ان گواہوں میں سے کوئی گواہ غلام ہے یا حد خوردہ ہے تو اس کو لینے کے دینے پڑ جاتے

تھے اور اُس پر اُلٹی حد قائم ہو جاتی تھی اور ملزم بچ جاتا تھا۔
اگر اتفاقاً ایسا ہوتا کہ مقدمہ کے دوران میں گواہوں کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہوتا اور فیصلے اور حد لگنے کے بعد معلوم ہوتا کہ فلاں گواہ غلام یا بدکار تھا تو چاروں گواہوں کے تازیانے لگتے۔ اور حد خوردہ کو بیت المال سے تاوان ملتا۔ سنگسار ہوتا تو وارثوں کو بیت المال سے خوں بہا دیا جاتا تھا۔
اگر کوئی شخص کسی شخص پر زنا کی تہمت لگاتا تو اس کی سزا اسّی کوڑے تھی اور غلام کو چالیس کوڑے لگائے جاتے تھے۔

چور کا ہاتھ کاٹنا

اگر کوئی عاقل و بالغ شخص دس درم سے زیادہ کے پوشیدہ جگہ سے چرالیتا اور اس کا اقرار کرلیتا یا دو مرد اس کی چوری کی شہادت دیتے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔

ہاتھ کاٹنے سے مستثنیٰ

لیکن اگر ایک نصاب سرقہ میں متعدد چوروں کا ساجھا ہوتا، نادان بچے اور کفن چور نے چوری کی ہوتی، میاں بیوی میں سے کسی نے ایک کا مال، یا بیٹے نے باپ کا مال، یا کسی شخص نے کوئی چیز مستعار لے کر اس سے انکار کیا ہوتا یا ایک شخص نے جو چیز چرائی تھی بذریعہ ہبہ یا بیع اس کا مالک بن جاتا یا قرآن مجید یا لکڑی کی جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں سرقہ کی ہوتیں۔ یا غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلامی عملداری میں رہتے ہیں وہ چوری کے مرتکب ہوتے تو ان کا ہاتھ نہ کاٹا جاتا تھا

ہاتھ کاٹنے کا طریقہ

پہلی دفعہ کی چوری پر چور کا پہلے داہنا ہاتھ کاٹا جاتا تھا اور داغ دیا جاتا تھا۔ اگر دوبارہ چوری

کرتا تو بایاں پیر کاٹا جاتا۔ اگر تیسری مرتبہ چراتا تو قطع نہ کیا جاتا بلکہ قید کر دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ چوری سے توبہ نہ کر لیتا تھا۔

رہزنی کی سزا

اگر کوئی شخص رہزنی کا ارادہ رکھتا تھا اور ارادہ کی تکمیل سے پہلے گرفتار ہو جاتا تھا تو اس کو قید کر دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ اپنے رہزنی کے ارادے سے تائب ہو جاتا تھا۔

اگر رہزن کسی کو جان سے مار ڈالتا اور مال نہیں چراتا تو قتل کیا جاتا۔ معافی نہیں ملتی اور اگر کسی کو مار کر مال بھی چرا لیتا تو اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ کر مار ڈالا جاتا تھا یا سولی پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ یا صرف جان سے مار دیا جاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں ہاتھ پاؤں کاٹنے نہ کاٹنے وغیرہ کا پورا اختیار حاکم کو ہوتا تھا وہ جس طرح چاہے کرے۔ رہزن کے معین ومددگار کو بھی یہی سزائیں دی جاتی تھیں۔

باغیوں کو سزا

جو قوم مسلمان بادشاہ اسلام کی فرمانبرداری سے منحرف ہوتی تھی تو اس کو بادشاہ سمجھاتا تھا اور ان کے شبہات دور کرتا تھا۔ اگر وہ ایک مکان میں جمع ہوتے تھے تو ان سے جنگ کی جاتی تھی اور ان کے سردار کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جاتا تھا۔

قتل کا قصاص

اگر کوئی شخص قتل عمد کا مرتکب ہوتا تو ان سے قصاص لیا جاتا تھا۔ اگر آزاد آدمی غلام کو قتل کرتا تھا تو آزاد کو قتل کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی رعایت نہ ہوتی تھی۔

قصاص اس صورت میں بھی واجب ہوتا تھا کہ اگر ایک شخص دوسرے

شخص کو زخمی کرتا اور وہ صاحب فراش ہو کر مر جاتا اور جو شخص مسلمان پر تلوار کھینچتا تھا اس کا قتل بھی واجب تھا۔ اگر چور مال لے کر گھر سے بھاگتا ہوا مالک کے ہاتھ قتل ہو جاتا تو مالک سے قصاص نہ لیا جاتا تھا۔

قصاص سے مستثنیٰ ہونیکے اشکال

اگر کوئی شخص کسی کو عمداً قتل کر دیتا اور اس پر قتل عمد شہادت یا اقرار سے ثابت ہو جاتا تو حاکم قصاص کا حکم نہ دیتا تھا۔ جب تک ان شرائط پر غور نہ کر لیتا تھا۔

(۱) یہ کہ قاتل عاقل اور بالغ ہے۔

(۲) مقتول مسلمان یا ذمی ہو۔

(۳) یہ کہ تمام وارث حاضر ہوں۔

(۴) سب وارث قصاص کے خواہاں ہوں اگر ایک وارث بھی دیت کا خواہاں ہوتا یا معاف کرتا یا کسی قدر مال لے کر صلح کرنا چاہتا تو قصاص ساقط ہو جاتا تھا

(۵) کچھ وارث بالغ ہوتے کچھ نابالغ ہوتے اور ان میں بعض بالغ قصاص چاہتے اور کچھ بالغ اور کچھ نابالغ عفو کرنا چاہتے یا کسی قدر رقم دیت سے کم خواہاں ہوتے تو نابالغین کے بلوغ تک حکم قطعی ملتوی رکھا جاتا تھا۔

(۶) یہ کہ قاتل مقتول کے اصول میں سے ہوتا۔ جیسے باپ۔ دادا۔ پردادا۔ نانا۔ پرنانا یا ماں یا دادی یا پردادی وغیرہ تو قصاص نہ لیا جاتا تھا۔

(۷) قاتل کے ساتھ کوئی نابالغ یا مجنوں قتل میں حصہ لیتا تو قاتل کا قصاص ختم ہو جاتا تھا۔

(۸) قاتل کے ساتھ مقتول کا باپ یا اور کوئی اس کے اصول میں شریک قتل ہوتا تو قصاص واجب نہ ہوتا تھا۔

(۹) اگر قاتل کے ساتھ ایسا شخص شریک قتل ہوتا جس کا قتل شبہ یا خطا سے ہوا ہوتا تو قاتل پر قصاص ساقط ہو جاتا تھا۔

(۱۰) مقتول نے قاتل پر تلوار یا کسی اور ہتھیار یا آلہ سے قبل قتل حملہ کیا ہوتا اور قاتل نے اپنی حفاظت کے لئے اس کو قتل کیا ہوتا تو اس سے قصاص نہ لیا جاتا تھا۔

(۱۱) یہ کہ مقتول کوئی حرکت وقت قتل ایسی کرتا جس سے اس کا قتل مباح ہو جاتا جیسے قاتل کا مال چرانا یا اس کی بیوی سے زنا کرنا یا اس کے گھر میں بے اذن یا باوجود منع کرنے کے جبراً گھس آتا۔ ایسی شکلوں میں قاتل سے قصاص نہ لیا جاتا تھا۔

خودکشی کی سزا

اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ یہ زہر ہے زہر کھاتا تھا تو اس کو قید کیا جاتا تھا اور تعزیر دی جاتی تھی۔ قید کی مدت امام کی رائے پر مفوض تھی۔

زہر کھلانے کی سزا

اگر زہر زبردستی کھلایا جاتا تھا تو دیت واجب ہوتی تھی۔ لاعلمی کی حالت میں زہر کھلانے پر کوئی سزا نہ دی جاتی تھی۔

محبوس کر کے مارنے کی سزا

اگر کسی کو حجرے میں بند کیا جاتا اور وہ بھوک کے مارے مر جاتا تو اس کو تعزیر

دی جاتی تھی اور حبس دائم الحیات کی سزا دی جاتی تھی۔

درندوں سے مروانیکی سزا اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کو شیر کے سامنے یا کسی اور درندے کے سامنے ڈالتا اور وہ اس کو چیر پھاڑ کر مار ڈالتا یا اس کو سانپ یا بچھو یا کسی اور موذی کے حجرے میں بند کر دیتا تو اس پر تعزیر واجب ہو جاتی تھی اور حبس دائم الحیات کی سزا دی جاتی تھی۔

غرق کرکے مارنیکی سزا اگر کوئی شخص کسی کو پانی میں ڈبوتا اور وہ پانی اس قدر کم ہوتا کہ اس میں وہ نہ ڈوبتا اور باہر نکل آتا لیکن نکل کر مر جاتا تو شبہ عمد ہوتا تھا۔

مُردہ عورت سے زنا کی سزا اگر ایک مرد مردہ عورت کے ساتھ زنا کرتا تو تعزیر دی جاتی تھی۔

شرمگاہ کے علاوہ دوسرے مقام پر زنا کرنیکی سزا اگر کسی نے شرمگاہ کے علاوہ کسی بقیہ عورت کے دوسرے اعضاء میں مباشرت کی ہوتی تو اس کو تعزیر دی جاتی تھی اور قید کیا جاتا تاکہ وہ توبہ کر لے۔

گلا گھوٹنے والے کی سزا گلا گھوٹنے والے کا قتل جائز ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی تھی۔

دیوار گرانا مفسد کی سزا جو شخص فساد کا عادی ہو اُس کی دیوار گرا دینا چاہیئے۔

تعزیر چپٹی بازی — اگر مرد، مرد کے ساتھ یا مرد عورت کے ساتھ یا عورت عورت کے ساتھ یا مرد خواجہ سرا یا مخنث یا نامرد یا لڑکے کے ساتھ چپٹی بازی کرے تو تعزیر واجب ہوتی ہے۔

جلق لگانے کی سزا — جلق حرام ہے اور جو شخص جلق لگائے اس کو تعزیر دی جائے گی۔

اغلام کی سزا — اگر کسی کو اغلام کی عادت ہو تو امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کو قتل کر سکتا ہے خواہ وہ محصن یا غیر محصن ہو

بندر سے مجامعت پر عورت کو سزا — اگر عورت بندر سے حرامکاری کرائے تو اس پر تعزیر واجب ہوگی

چارپائے کے ساتھ جماع کرنے پر سزا — اگر کوئی شخص چارپائے کے ساتھ مباشرت کرے تو اس پر تعزیر واجب ہوگی۔

تیر سے موت ہونیکی سزا — اگر کسی نے تیر مار کر کسی کو مار ڈالا۔ اگر اس پر تیر کا پیکان پڑا تو اس پر قصاص واجب ہوگا۔

گرم پانی میں ہلاک کرنیکی سزا — اگر کوئی شخص بڑے دیگچے میں پانی اس قدر گرم کرے کہ آگ کے مانند ہو جائے پھر کسی شخص کو باندھ کر اس میں ڈال دے اور اسی وقت اس کی کھال ادھڑ جائے اور وہ مر جائے تو اس پر قصاص واجب ہوگا۔

بلند مقام سے گرا دینے کی سزا — اگر کوئی شخص کسی کو بلند کوٹھے یا پہاڑ سے

گرادے یا کنوئیں میں ڈال دے تو شبہ عمد کی سزا دی جائے گی۔

عورت کی شرمگاہ کاٹنے کی سزا

اگر کسی عورت نے کسی عورت کی شرمگاہ کاٹ ڈالی اور موجب سلسل البول ہو گئی یا قابل جماع نہ رہی تو دیت واجب ہو گی۔

ساحر اور زندہ درگور کی سزا

اگر کسی کو کوئی زندہ درگور کر دیتا اور وہ مر جاتا تو اس پر دیت واجب ہوتی تھی۔ ساحر جب پکڑا جاتا اور اقرار کر لیتا تو قتل کیا جاتا تھا۔

اعضا کاٹنے کی سزا

اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ ڈالتا تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالا جاتا تھا۔ یہ اس کی سزا ہوتی تھی۔ دانت توڑنے پر دانت توڑا جاتا تھا۔ ہڈی توڑنے پر قصاص واجب نہ ہوتا تھا۔

بصارت دور کرنے کی سزا

اگر کوئی کسی کی آنکھ کی روشنی ضرب سے ختم کر دیتا تو اس کا قصاص اس صورت سے لیا جاتا تھا کہ ضارب کے منہ پر بھیگی روئی ڈالی جاتی تھی اور اس کے آنکھ کے مقابل گرم آئینہ رکھا جاتا تھا جس سے اس کی بصارت چلی جاتی تھی۔

ناک وغیرہ کاٹنے کی سزا

ناک، ذکر، اور حشفہ کاٹنے، قوت سامعہ یا ذائقہ یا شامہ یا باصرہ جانے یا سر کے بال مونڈنے اور انسانی عضو جو دو ہوں مثلاً ہاتھ، آنکھ پاؤں، کان، ہونٹ اور چاروں پلکیں تلف ہونے پر دیت واجب ہوتی تھی

اگر ایک آنکھ، پاؤں، کان، ہونٹ اور فوطہ تلف ہو جاتا تو دیت واجب ہوتی تھی۔ ایک انگلی تلف ہونے پر پاؤں کی ہو یا ہاتھ کی ہو دسواں حصہ دیت کا ہے۔ ہر دانت کے تلف ہونے پر بیسواں حصہ دیت کا ہے۔

استقاطِ حمل کی سزا

اگر کوئی شخص کسی عورت کے پیٹ پر ضرب لگاتا اور بچہ مردہ نکل پڑتا تو ضارب کی عاقلہ پر غرہ یعنی بیسواں حصہ دیت پانسو درہم لازم آتے تھے جو ایک سال تک وصول کئے جا سکتے تھے اور جو بچہ زندہ پیٹ سے گر جاتا اور مر جاتا تو پوری دیت نفس واجب ہوتی تھی اور جو بچہ مردہ نکلتا پھر ماں بھی اس کی مر جاتی تو غرہ اور دیت دونوں واجب ہوتی تھیں۔

اہل محلہ کو قتل کے الزام پر سزا

وہ مردہ جس پر ضرب کا یا جراحت کا اثر ہوتا یا گلا دبانے کا نشان ہوتا یا آنکھ کان سے خون بہتا ہوا کسی محلہ میں پڑا پایا جاتا اور اس کا قاتل نامعلوم ہوتا اور ولی مقتول قتل کا دعویٰ اہل محلہ پر کرتا یا بعض پر تو ولی پچاس آدمیوں کو محلہ والوں میں سے چھانٹتا اور ان سے یہ قسم لی جاتی تھی کہ واللہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ اس کے قاتل کو ہم جانتے ہیں۔ جب اہل محلہ حلف لے لیتے تھے تب ان پر دیت کا حکم دیا جاتا تھا۔ اگر اہل محلہ پچاس سے کم ہوتے تو ان سے قسم لی جاتی تھی اس طرح کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں۔ اگر کوئی شخص اہل محلہ میں سے قسم کھانے سے انکار کرتا تو اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جاتا تھا جب تک کہ وہ قسم نہ کھا لیتا تھا۔

قتل جانور کی سزا

اگر مقتول جانور ہوتا تھا اور اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا یا سوار یا کھینچنے والا ہوتا تو اس کی دیت سائق یا قائد یا راکب کے عاقلہ پر ہو گی۔ اگر تینوں ہوں تو ان سب کو دیت دینی پڑتی تھی۔

دیت

قتل خطا کی دیت سو اونٹ اور کفارہ قتل خطا اور شبہ عمد کی دیت ایک غلام مسلمان آزاد کرنا تھی اگر اس سے عاجز ہو تو دو مہینے پے درپے روزے رکھنا تھا۔

مقدار دیت ایک ہزار دینار بشکل سونا اور دس ہزار درہم بشکل چاندی۔ اور بشکل اونٹ سو اونٹ تھی۔

تعزیر کے طریقے

تعزیر کبھی قید کرنے سے دی جاتی ہے۔ کبھی طمانچہ مارنے، کبھی کان اینٹھنے، کبھی سخت کلامی اور کبھی حاکم کی تیز نگاہ، کبھی قتل کرنے، دُرّے لگانے، قید کرنے، گھر سے نکال دینے اور مجرم کے مال کو قرق کرنے سے دی جاتی۔

سولی پر چڑھانے کا طریقہ

رہزن اور ڈاکو کو سولی پر چڑھا کر اس کے پیٹ کو نیزے سے چیر دیتے اور تین دن تک اس کی لاش کو سولی پر رکھتے تھے تاکہ لوگ اس کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

بہتان و گالی کی تعزیر

اگر کوئی شخص کسی کو اے چوڑے، اے قحبہ زادے، یہود اور نصرانیوں کے سردار، اے دیوث، کٹنے، ہیجڑے، لونڈی باز، خائن، شراب خوار، سود خوار کہتا تھا تو

تعزیر کیا جاتا تھا۔

تعزیر کی سزا زیادہ سے زیادہ اُنتالیس اور کم از کم تین کوڑے تھے امام کو جائز ہے کہ ضرب اور حبس دونوں تعزیر کے طریقے جائز رکھے۔ تعزیر کی ضربیں زنا کی حد اور شراب کی حد سے سخت ہوتی تھیں۔

اگر کوئی شخص تعزیر یا حد سے مرجاتا تو اس کا خون ضائع سمجھا جاتا تھا۔ یا اگر شوہر اپنی زوجہ کو تعزیر دیتے میں مار ڈالتا تو شوہر پر خون بہا لازم آتا تھا۔

حدِ شراب خوری جو شخص شراب پیتا تھا اور عدالت میں اس کی مے نوشی پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی تو مے نوش کو اگر وہ آزاد ہو تو اسّی کوڑے اور غلام ہو تو چالیس کوڑے لگائے جاتے تھے یہ کوڑے حدِ زنا کی طرح مجرم کے بدن پر سر، منھ، اور شرمگاہ بچا کر کپڑے اُتار کر لگائے جاتے تھے۔

مسلم منکوحہ مرتد کی سزا اگر کوئی منکوحہ عورت مرتد ہو جاتی تو اُس کا نکاح اپنے خاوند سے فسخ ہو جاتا تھا لیکن نہ اس حد تک کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔ بلکہ وہ حقیقی طور پر اپنے پہلے خاوند کی بیوی رہتی اور از روئے شرع اسلام اس کو قید کیا جاتا اور اس وقت تک قید رکھا جاتا کہ وہ توبہ کر لیتی اور دوبارہ اسلام قبول کر لیتی۔ تب اسکے خاوند کے ساتھ اس کے نکاح کی تجدید کی جاتی تھی۔

مرتد اسلام کو مسلمان ہونے کی تلقین کی جاتی تھی اور اس کے شبہات دور کئے جاتے تھے۔ انکار کی صورت میں تین دن تک قید کیا جاتا تھا۔ پھر بھی انکار کرتا تھا تو قتل کیا جاتا تھا۔

جو شخص تین مرتبہ مسلمان ہو کر مرتد ہو جاتا تھا اور چوتھی مرتبہ مرتد ہوتا تو اُس کو تلقین نہ کی جاتی تھی بلکہ قتل کیا جاتا تھا۔

ہندو قیدی جیل میں بھوکے رہتے تھے

ہندوؤں کے مذہب میں قید کی حالت میں کھانا نہیں کھاتے تھے اس بناء پر ساہو جو خیمہ میں شاہی خیمہ کے ساتھ رہتا تھا صرف مٹھائی اور میوہ پر بسر کرتا تھا۔ عالمگیر کو جب یہ حال معلوم ہوا تو حمید اللہ خاں کو بھیجا کہ ساہو سے کہو کہ تم قید میں نہیں ہو بلکہ اپنے گھر میں ہو اس لئے تم کو بلا تکلف کھانا کھانا چاہیئے[۵]۔

عالمگیری قید خانے

عالمگیر بھی شاہی قیدیوں کو آگرے کے قلعے اور گوالیار کے قلعے میں مقید کرتا تھا۔ چنانچہ داراشکوہ، سلیمان شکوہ، سپہر شکوہ اور مراد کو اور مراد کے چھوٹے بیٹے کو قلعہ گوالیار میں قید کیا تھا اور شاہجہاں اور اس کی بیٹی جہاں آرا کو آگرہ کے قلعے میں نظر بند کیا تھا۔

شاہجہاں کی قید میں حالت

شاہجہاں آگرہ کے قلعے میں کس حیثیت سے رہتے تھے اُس کی حالت عالمگیر کے دشمن برنیر کی قلم سے سنئے۔ وہ لکھتا ہے:۔

اورنگ زیب کا برتاؤ شاہجہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی نہ تھا۔ اور حتی الامکان وہ اپنے بوڑھے باپ کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا تھا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا تھا اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات

---

[۵] مآثر عالمگیری ۴۳۔

میں اس کی رائے اور مشورہ کو مثل ایک پیر و مرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا اور اس کے عریضوں سے جو اکثر لکھا کرتا تھا ادب اور فرمانبرداری ظاہر ہوتی ہے۔ شاہجہاں بھی بیٹے کو لکھنے پڑھنے لگ گیا تھا۔ بلکہ اپنے باغی فرزندوں کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کر کے ان کو دعائے خیر میں یاد کرتا تھا۔[۱]

جزیہ کے مطالبہ واران کا جیل خانہ

عالمگیر جزیہ کی وصولی کے لئے بہت مستعد رہتا تھا۔ چنانچہ جو شخص جزیہ نہ دیتا تھا اس کو قلعہ ارک اور چوک کے قریب جو سرائے ہے اس میں جزیہ کے مطالبہ داران کو مقید کرتا تھا[۲]

شیواجی کا طریقہ انصاف

آجکل کی سی عدالتیں اس وقت نہ تھیں لوگ اپنے جھگڑے پنچایتوں میں طے کر لیتے تھے۔ سرکاری ملازموں کو رشوت لینے اور ظلم کرنے پر سخت سزائیں ملتی تھیں۔ سپاہیوں کے جھگڑوں کو ان کے افسر طے کرتے تھے۔

اورنگ زیب کے بعد حکومت مغلیہ کا زوال ہونا شروع ہو گیا۔ بہادر شاہ ابن اورنگ زیب نے پانچ سال اور جہاندار شاہ ابن بہادر شاہ نے ایک سال اور فرخ سیر نے آٹھ سال حکومت کی۔ کیا عدل و انصاف کے طریقوں میں ترمیم و تنسیخ یا اصلاح کرتے اپنی زندگی کی خبر نہ تھی۔ البتہ فرخ سیر کے عہد میں بندا کے مظالم اور اس کو تعزیراً مارے جانے کا واقعہ اپنی نوعیت کا ایک ہے۔

لاشیں نکلوا کر درندوں کو کھلانا

بندا سکھوں کا سردار بہادر شاہ اور فرخ سیر کے عہد میں گذرا ہے۔ اس نے

---

[۱] سفرنامہ ڈاکٹر برنیر اول (۲۸۹) [۲] منتخب اللباب جلد دوم ۴۵۴ [۳] خفی خاں دوم ۲۷۸

لوگوں پر بڑے ظلم کئے۔ اکثر مسجدیں توڑ ڈالیں اور مولویوں کو قتل کیا اور بلالحاظ عمر اور جنس کے دیگر قوموں کے لوگوں کو ہلاک کرنا شروع کیا۔ بلکہ مردوں کی لاشوں کو قبروں سے نکلوا کر درندوں کو کھلوایا۔ اور حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے ان کے بچوں کو زمین پر دے مارا۔ بہادر شاہ کے عہد میں وہ بچ کر بھاگ گیا تھا[1]۔ ۱۷۱۶ء میں فرخ سیر کے عہد میں اپنے ۷۴۰ ہمراہیوں کے ساتھ گرفتار ہو کر دلی آیا

جسم انسانی کو گرم چمٹے سے نوچنا

یہاں پر سب کو بھیڑ کی کھال پہنا کر اونٹوں پر بٹھا کر سارے شہر میں تشہیر کرائی گئی اور پھر سات دن تک اُسکے ساتھی قتل کئے جاتے رہے بندا کو تاش جامہ پہنا کر سرخ پگڑی باندھ کر لوہے کے پنجرے میں بند کیا اور اس کے گرد بھالوں پر اس کے ساتھیوں کے سر تھے جو بلّی اس نے پالی تھی اسے بھی مار کر ایک بھالے پر لٹکا دیا تھا۔ جلاد ننگی تلوار لئے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے اُس کے چھوٹے بچے کو ذبح کیا اور اس کا کلیجہ اس کے پاس پھینک دیا اور پھر گرم چمٹوں سے نوچ کر بندا کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

۱۷۱۹ء میں محمد شاہ تخت نشین ہوئے انہوں نے رنگیلے کا خطاب پایا۔ ان کے بعد احمد شاہ نے ۶ سال حکومت اور عالمگیر ثانی نے ۱۷۶۱ء تک ۷ سال حکومت کی۔ کیا کرتے۔ ان کے عوض سرنگا پٹم میسور میں حیدر علی اور اس کا بیٹا ٹیپو بزرگوں کی شان قائم کئے ہوئے تھے ان کا عدل و انصاف اور سزا دینے کا طریقہ قابل ذکر ہے۔

طریقہ عدالت

ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک پنچایت مقرر تھی۔ قدیم دستور

---

[1] خفی خاں

کے مطابق ہر قریہ میں پٹیل تنازعات کا پنچایت کی رائے سے فیصلہ کر دیتا تھا تعلقوں اور ضلعوں میں عامل اور آصف فیصلہ کرتے تھے۔ اگر فریقین مقدمہ کو اس سے تشفی نہ ہوتی تو مقدمہ صدر عدالت تک اور اس کے بعد سلطان تک پہنچایا جاتا تھا۔ صدر عدالت میں دو حاکم رہتے تھے۔ ایک مسلمان اور ایک ہندو مسلمانوں کی شرعی مقدمات کے لئے شہر میں قاضی مقرر رہتے اور یہ بھی پنچایت کے ذریعہ ہی فیصلہ کرتے تھے۔ شرعی مقدمات بھی صدر عدالت تک پہنچائے جاتے تھے۔ خاص ہندوؤں کے مقدمات شاستروں کی رو سے پنڈت فیصلہ کرتے تھے۔ قاضیوں کے ذمہ علاوہ مقدمات کے فیصلہ کے مسلمانوں کو نشستیات سے دور رکھنا بھی تھا۔ اس زمانہ میں مقدمات شاذ و نادر ہی فیصلہ کے لئے آتے تھے کیونکہ چوروں اور مجرموں کو سخت اور عبرتناک سزائیں دی جاتی تھیں جس سے دوسروں کو ارتکاب جرم کی جرأت نہ ہوتی تھی[۵۱]۔

چور کا پتہ چلانے سے پیشتر چوری گیا ہوا اسباب تلاش کیا جاتا تھا ورنہ یہ خوف تھا کہ کہیں اس نقصان کی تلافی عاملان حکومت کی تنخواہ سے نہ پوری کی جائے[۵۲]

قسم نہ لی جاتی تھی

اس زمانہ میں تنازعات بالکل شاذ و نادر ہوتے تھے جب مقدمہ پیش ہوتا تو مدعی مدعا علیہ دونوں عدالت میں حاضر ہو کر اپنے بیانات دیتے اور تائید میں سندات پیش کرتے گواہوں کا بیان لیا جاتا مگر ان سے قسم نہ لی جاتی تھی۔ تمام مقدمہ سنکر پنچایت کے لوگ اس کی تحقیق کرتے اور جج کو اپنا بیان دیتے۔ ہر ایک کارروائی زبانی ہوتی فریقین سے مچلکے ضمانت کے لئے جاتے تھے کہ وہ پنچایت کے فیصلہ پر راضی ہیں[۵۳]۔

---

۵۱ تاریخ کرنل ولکسن ۵۲ بٹیین ۵۳ ایضاً

لڑکی چھیننے کی سزا

حیدر علی کے عدل وانصاف کی روایات بھی اسی قدر مشہور ہیں جس قدر ان کی بہادری کے واقعات۔ ایک روز حیدر علی کو تمبولور میں ہوا خوری کے لئے نکلے راستہ میں ایک بڑھیا نے نواب کو روک کر فریاد کی کہ ان کی عرضی کی داد نہیں ملی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ عرضی بیگیوں کے سردار حیدر شاہ کے ہاتھ میں دی گئی تھی اور کیفیت یہ تھی کہ نقیبوں کے سردار آغا محمد نے اُس کی لڑکی چھین لی تھی۔ حیدر شاہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے بڑھیا اور اس کی لڑکی کو طوائف بتایا۔ اور اسی لئے پیش نہ کرنے کا حیلہ کیا۔ نواب نے کل واقعات دریافت کر کے حیدر شاہ کو دوسو کوڑے لگا کر معزول کیا اور آغا محمد کا سر قلم کیا۔ کہ آئندہ کوئی رعیت کو نہ ستائے۔ لڑکی بڑھیا کو واپس دلائی گئی۔

کوڑے کی سزا کا اہتمام

نواب نے خاص خاص مجرموں کو سزا دینے کے لئے دوسو نسقچی ملازم رکھے تھے جن کا کام مجرموں کو کوڑے لگانا تھا۔ اس طریق سزا دہی میں امیر، غریب، سپاہی اور افسر سب برابر سمجھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کسی جرم پر شاہزادہ ٹیپو سلطان کو حیدر علی نے بھی اپنے ہاتھ سے کوڑے لگائے تھے [1]

منشیات کا خاتمہ

حیدر علی کے زمانہ میں منشیات جیسے شراب، تاڑی افیون وغیرہ پر حسب معمول اور قدیم طریقہ پر محصول لیا جاتا تھا۔ جب سلطان ٹیپو تخت نشین ہوئے تو نشہ کی چیزوں کو فروخت کرنے کے لئے لائسنس حاصل کرنے کا فرمان جاری کر دیا اور بغیر لائسنس لئے کوئی شخص

---

[1] تاریخ سلطنت خداداد ۱۳۹۔

اُن کی خرید و فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ خلاف ورزی کرنے والے کے لئے سخت سزا مقرر تھی۔ اسی طرح جب منشیات پر پابندیاں عائد ہوگئیں تو چند سال کے بعد ہی سلطان نے تمام سلطنت میں منشیات کا استعمال ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس سلسلہ میں سن اور خشخاش کی کاشت کرنا بند کر دی گئی اور اس پر اس سختی سے عمل کیا کہ لوگوں کو اپنے خاص باغوں میں بھی بونے کی اجازت نہیں تھی صندولے کے درخت جس سے تاڑی نکلتی ہے تمام سلطنت میں کٹوا دئے تھے۔ اور احکام جاری کئے کہ آئندہ کوئی درخت نہ بوئے[۱]

سلطانی محل کا قید خانہ

سرنگا پٹم کے قلعہ کے اندر شمالی فصیل سے ملے وہ تہ خانے ہیں جن میں انگریز قیدیوں کو بند کیا گیا تھا۔ انگریز اس کو تعصب اور انتقامی طور پر ڈنجن کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ مکانات فصیل قلعہ میں زمین کھود کر بنائے گئے ہیں۔ اس کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ قلعے کے گارد کے سپاہیوں کے پہرے بدلنے کی جگہ اور نشست گاہیں تھیں اس میں ڈریس اور ہتھیار رکھنے کے مچان اب تک موجود ہیں۔ سامنے وسیع صحن ہے جس میں روشنی اور ہوا کا گذر ہے اور تاریکی بالکل نہیں ہے[۲]۔

انگریزوں کا قید ہونا

مسٹر جے مری جو اس جیل خانہ میں رہا ہے۔ اپنی کتاب میموئرس آف دی لیٹ وار میں لکھتا ہے

" ہمارا قید خانہ میسور کے کمسن راجہ کے وسیع محل کے قریب تھا محل کے سامنے میدان کے مشرق کی جانب سلطان کا محل تھا۔ ہمارا قید خانہ اس جگہ تھا کہ ہم انگریزی قیدیوں کو سلطانی محل کی چھت پر چلتے ہوئے دیکھ سکتے تھے

---

[۱] تاریخ سلطنت خداداد ص ۱۳۹ [۲] ایضاً

مگر اس کی باتیں سنائی نہ دیتی تھیں۔ ہم نے ۲۷ دسمبر ۱۷۸۳ء کو دسہرہ کا تماشہ دیکھا۔ جب کہ میسور کا راجہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا دسہرہ کے کھیل تماشے دیکھ رہا تھا۔ سلطان کے حکم سے انگریزی قیدی علیحدہ علیحدہ رکھے جاتے تھے۔ جنرل بیلی ایک مسافر خانہ میں قید تھا۔ جان میتھیوز اور بیرڈ دوسری جگہ تھے تمام سپاہیوں کو علیحدہ علیحدہ ایک مربع کمرہ میں قید کیا جاتا تھا۔ اس طرح شہر کے مختلف حصوں میں قید خانے تھے

فراخ صحن قیدخانہ

ہمارا قید خانہ دراصل ایک گھر تھا جس میں ایک فراخ صحن تھا اور اس کے گرد اٹھارہ فٹ کی مٹی کی بنی ہوئی چار دیواری تھی۔ ہمیں ان قیدیوں سے جو دوسری جگہ تھے۔ بات کرنے کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اس کے قیدی ان نوکروں کے ذریعہ جو ان پر متعین تھے ایک دوسرے کو پیغام بھیجتے تھے۔

کپڑے دھوبی دھوتا تھا

ایک دھوبی جو ہمارے کپڑے دھونے پر متعین تھا اکثر اسی کے ذریعہ ہم آپس میں پیغام اور پیسہ بھیجتے تھے۔ افسروں کو بیڑیاں ڈال کر رکھا جاتا تھا کھانا سادہ دیا جاتا تھا۔

بیماروں کو دوائیاں دی جاتیں

بیمار ہونے پر بازاری ادویات دی جاتی تھیں لکھنے پڑھنے کے لئے کتابیں مہیا نہ تھیں۔ فرنیچر، پلنگ، کرسی خود بنا لیتے تھے۔ بیلی اور جنرل میتھیوز اور بہت سے دوسرے افسر اسی حراست میں مر گئے۔ فریزر، رمنی اور سیامسن ان تینوں افسروں کو میسور لے جا کر قتل کر دیا گیا

رہائی کی خوشخبری

قیدخانہ کا افسر سید ابراہیم قیدیوں پر نہایت مہربان تھا۔ ہم اس قید کی حالت میں دن گذار رہے تھے۔ کہ ایک دن سلطان کی جانب سے ایک برہمن نے ہم کو آکر خوشخبری سنائی کہ سلطان اور انگریزوں میں صلح ہوگئی۔ اور ہم کل رہا ہوجائیں گے۔ اس خبر کو سُن کر ہم نے ہمارے پاس جو کچھ پیسہ تھا اس کو جمع کرکے آپس میں ایک دوسرے کی دعوت کی۔ رات بھر اسی خوشی میں ہم کو نیند نہ آئی۔ صبح کو ایک لوہار بیڑیاں کاٹنے آیا۔ ہم ایک پر ایک گرے پڑتے تھے کہ جلد بیڑیاں کٹ جائیں۔ یہاں تک کہ ہم جو بالکل دوست بنے ہوئے رہتے تھے بیڑیاں جلد کاٹنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ آخر کار شام کے تین بجے تک سب بیڑیاں کٹ گئیں جس کے بعد ہم کو سلطانی محل کے پاس لے جایا گیا۔ محل میں ہمارے نام لکھ کر ہم کو کرنل بیرت وائیٹ کے قیدخانہ کو بھیجدیا۔ شام تک یہاں تمام یورپین جمع ہوگئے اور ہم قلعہ سے نکل کر سومنات پینٹ پہنچے جو دو میل کے فاصلہ پر ہے ہم کو یہاں اجازت دی گئی کہ بازار دیکھیں اور دریائے کاویری میں غسل کریں۔"

قیدسرنگاپٹم کی یاد

جیمس اسکری جان میڈوس کے ماتحت میسور کی تیسری جنگ میں شامل تھا جس کے بعد وہ انگلستان گیا۔ یہاں بشرپلائی موتھ میں اس نے ایک دوکان کھولی تھی۔ مصنف لکھتا ہے کہ جیمس مکان پر بیٹھا ہوا آہیں بھر رہا تھا کہ کاش پھر اس کو سرنگاپٹم کی قید نصیب ہو۔

پالیگاروں کے قلعہ میں قید

سیاسی مجرموں کو جس میں منہ روتی

ہوتے تھے۔ ہندو پالیگاروں کے قلعہ میں قید کئے جاتے تھے چنانچہ میتھک سوسائٹی کے تاریخی کاغذات میں ایسے بہت سے ہندو سیاسی مجرموں کے نام دئے گئے ہیں جو ان پالیگاروں کے قلعہ میں قید تھے (تاریخ سلطنت خداداد صفحہ ۱۵۱)

انسان کو بطور طوطے کے پالنا

رانی اور کھنڈے راؤ (جو حیدر علی کا نمک خوار تھا) مرہٹوں سے سازش کی اور حیدر علی اپنی جان بچا کر بنگلور بھاگا۔ اس کا فرار ہونا بھی نہایت حیرت انگیز اور تاریخی یادگار ہے۔ حیدر علی نے جلد فوجوں کو جمع کیا اور جنگ کی جس میں کھنڈے راؤ کو شکست ہوئی۔ رانی کی سفارش پر اس نے وعدہ کیا کہ کھنڈے راؤ کو بطور ایک طوطے کے پالے گا۔ چنانچہ کھنڈے راؤ کو ایک لوہے کے پنجرے میں بند رکھ کر دودھ اور چاول دیتا رہا۔[۱۵۹]

رنجیت سنگھ کے فیصلہ مقدمات کا طریقہ

رنجیت سنگھ کے دور ۱۸۳۹ء میں عدالتوں کی رہبری کے لئے کوئی خاص ضابطہ نہ تھا رسم و رواج کے مطابق سارے مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ فوجداری مقدموں میں سزا کی مقدار افسر عدالت کی طبیعت پر منحصر تھی۔ بہت سے جرموں کے لئے جرمانہ کی سزا تھی جو مہاراجہ کے خزانہ میں داخل کیا جاتا تھا۔ کچھ جرائم میں مجرم کے مختلف اعضا بھی کاٹ دئے جاتے تھے۔ قید رکھنے کی سزا کے ان دنوں کچھ معنے نہ تھے اور اسوقت اس کو فضول خرچی ہی سمجھا جاتا تھا۔ سخت جرائم میں ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ کاٹ دئے جاتے تھے۔

---

۱۵۹ تاریخ رولرس آف انڈیا صفحہ ۱۹۲ مصنفہ جی ڈی۔ اسول۔

مقدمہ کی قسم کے طریقے اسی عہد میں اضلاع یو۔پی میں انگریزی عملداری سے پہلے قسم کے دو طریقے تھے۔

(۱) اکثر معاملاتِ سنگین میں جب پر الزام لگایا جاتا تھا وہ پیپل کے پتے کو ہاتھ میں رکھ کر آگ میں گولا آہنی گرم کر کے رکھ دیتا تھا جو کوئی جھوٹا ہوتا وہ جل جاتا۔ اکیس قدم سے سو قدم تک گولہ اٹھا کر لے جاتا ہوتا تھا۔ اس طریقہ قسم کو گولا اور دب کہتے تھے۔

(۲) یہ تھا جو کہ سرحد کے تصفیہ کے واسطے اختیار کیا جاتا تھا گنگا جل میں غسل کر کے معہ بھیگی دھوتی کے بیل کا چمڑہ پہن کر یا سر پر رکھ کر بیٹے کو گود میں لے کر سرحد سے نکالتے تھے۔ اس قسم کو کوکنی کہتے تھے۔[1]

مویشی باڑہ میں قید کرنا چوروں کو مرہٹوں کے دور حکومت ۱۸۳۸ء تا ۱۸۵۲ء میں ضلع بھنڈارہ سی، پی کے اندر مویشی باڑہ میں رکھا جاتا تھا ان کے ہاں موجودہ عدالتوں کا سسٹم رائج نہ تھا۔ چنانچہ اس وقت کی جو حالت مصنف امپیریل گزیٹیر آف انڈیا نے لکھی ہے وہ ملاحظہ ہو۔

> بھنڈارہ میں مقررہ قانون کے مطابق عدالتیں قائم نہیں بلکہ وہاں کے اہلِ دولت و ثروت پٹیل لوگ اپنے خیال سے مطابق انصاف کرتے تھے۔ حق وراثت کے مقدمات برادری کے رواج کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ پندرہ سو سے زائد رقم کے مقدمات عام طور پر راجہ کے سامنے پیش ہوتے تھے

---

[1] تاریخ ضلع فرخ آباد باب دوم ۱۵ مصنفہ کا ابطلئے

مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو ایک چوتھائی فیس گورنمنٹ کو ادا کرنی پڑتی تھی۔ نیچی ذاتوں میں ان کے سردار اور سیٹھ ان کے مقدموں کا فیصلہ کرتے تھے۔ اور ان مقدمات کی اپیلیں جو کہ دیوانی کی ہوتی تھیں ان کو سرداروں کی اسمبلی سنتی اور فیصلہ دیتی تھی۔ مدعی سرداروں کی پنچایت کے سامانِ خورد و نوش اور تمباکو کے خرچ کا ذمہ دار ہوتا تھا گونڈ برادری کے لئے بیر شراب آتی اور ایک چبوترہ پر مہادیو کا بت پنچایت میں رکھا جاتا تھا جہاں کسی قسم کی پاکیزگی اور تقدیس دیجاتی تھی چوروں اور ڈاکوؤں کو ان کا سامان ضبط کرکے سزا دی جاتی تھی اور بیڑیاں ڈال کر مویشی باڑہ میں مقید کردئے جاتے تھے۔ دوسرے جرائم میں ہاتھ، ناک، انگلیاں کاٹ دی جاتی تھیں۔[۱]

اب یہ وہ زمانہ آگیا تھا جب مغلیہ خاندان کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوجائے اور آخری بادشاہ قید ہو۔ ظفر شاہ بہادر شاہ کی غمناک گرفتاری اور شہزادوں کی المناک شہادت کن طریقوں سے ہوئی وہ اب آپ دورِ حکومتِ برطانیہ میں دیکھیں

ماحصل

قدیم جیل خانے

قدیم ہندوستان کی تاریخی کتب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں موجودہ وضع قطع کے جیل خانے نہ تھے۔ اور اس زمانہ میں جیل خانے قلعوں میں ہوا کرتے تھے۔ یا شاہی قیدیوں کو تہ خانوں سرنگوں، تنگ و تاریک کوٹھریوں یا سرداروں کے مکانوں یا کنوؤں اور غاروں میں

۱ے امپیریل گزیٹر آف انڈیا جلد دوم بنگال کٹوا ۳ ، ۲ے امپیریل گزیٹیر باب ۹ ص ۹۵

متقید کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ "قصرِ سفید" کے بارے میں مولانا بشیر احمد صاحب مصنف دارالحکومت دہلی لکھتے ہیں "۶۰۵ھ ۱۲۰۵ء میں جبکہ رائے پتھورا کو مرے ہوئے سولہ برس ہوئے تھے قطب الدین ایبک نے ایک محل جو تاریخ میں قصرِ سفید کے نام سے مشہور ہے تعمیر کرایا تھا جو محض تخت نشینی یا دربار یا سفرا و ایلچیان کیلئے مخصوص نہ تھا بلکہ کبھی کبھی اسمیں ذی مرتبت لوگ قید بھی رکھے جاتے تھے چنانچہ بہرام شاہ کا جانشین سلطان علاؤ الدین اس محل میں نظر بند تھا۔"

اسی طرح مرزا عزیز کو کلتاش کو اکبر کے رضاعی بھائی تھے "آئینِ داغ" کی مخالفت پر تنگ آکر اکبر نے حکم دیا کہ تم ہمارے سامنے مت آؤ کئی دن بعد ان کو آگرہ بھیج دیا کہ اپنے باغ میں ہیں اور آمد و رفت کا دروازہ بند۔ یہ نہ کہیں جائیں۔ نہ کوئی ان کے پاس رہے۔ نہ کوئی ان کے پاس آئے۔ باغ مذکورہ کا "باغ جہاں آرا" نام تھا۔ ۱۰۳۶ھ میں خان خاناں کو جہانگیر نے مہابت خاں کے مکان میں نظر بند کیا تھا۔ غاروں، مکانوں، کنوؤں، فصیل کے حجروں، تہ خانوں، زہر کے حوض میں متقید کرنے کے واقعات سلسلہ وار ہر دور میں آ چکے ہیں۔ ان کو مزید دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرکیف مجموعی اعتبار سے اس دور میں جیل کی سزا کو کوئی اہمیت نہیں دیجاتی تھی اور نہ زیادہ تر مجرموں کو جیلخانے میں بھیجا جاتا تھا۔ بلکہ فوری مقررہ سزا دیجاتی تھی اور سزا دینے میں دیر کرنا عیب سمجھا جاتا تھا جسکی وجہ سے اس دور میں موجودہ زمانے کے مقابلہ میں جرائم کم ہوتے تھے۔ قلعہ میں قیدیوں کی قابلِ اطمینان حفاظت ہوتی تھی۔ اسی لئے ان کو قلعوں میں رکھا جاتا تھا بلاشک موجودہ جیلوں کے مقابلہ میں قلعہ میں قیدیوں کو رکھنے کو دانشمندانہ کہا جا سکتا ہے۔ تعجب ہے سلاطین غزنوی ہندوستان میں آئے اور یہاں انھوں نے اپنے ملک کے وضع کئے جیلخانوں کو رائج نہیں کیا حالانکہ اس دور میں غزنی کے اندر بہترین جیل کا انتظام کو یا جیلخانے تھے

ملے دارالحکومت سوم ۲۲۸ -

ہندوستان کے انگریزی دور کی تاریخ جرم و سزا

انگریز تاجر ہندوستان میں پہلی مرتبہ ملکہ الزبتھ کے زمانہ میں آئے جنہوں نے مغربی ساحل کے نزدیکی مقامات پر تجارت کرنے کے لئے مغل بادشاہ سے معاہدہ کیا ان کی پہلی تجارتگاہ مدراس تھی۔ مدراس کو گونر کمپنی نے (جو لندن کی تاجروں کی کمپنی تھی۔ اور مشرقی جزیرے میں تجارت کرتی تھی) معاہدہ کی رو سے ایک ہندو حکمراں سے حاصل کیا۔ یہ کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تھی۔ بعد میں انہوں نے بمبئی اور کئی صوبوں کے مقام بھی لئے۔ ان کی مشغولیتیں صرف تجارتی تھیں۔ ان کو اگر کوئی نقصان پہنچتا تو وہ اس کو برداشت نہ کرتے۔ چنانچہ ان کی فرانسیسیوں سے تجارتی معاملہ پر مڈھ بھیڑ ہوتی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۷۶۱ء میں انگریزوں نے پانڈے چری پر قبضہ کر لیا جس سے ان کی تجارت میں ترقی ہوئی۔ اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کو مزید اقتدار حاصل ہوا۔ اس نے بنگال میں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی۔

کمپنی کی خود مختاری کا دور

یہ وہ دور تھا جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم اور افسران خود مختار تھے معمولی معمولی حیثیت کے لوگ جو چاہتے وہ کرتے۔ چنانچہ مسٹر گرے مشہور مورخ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمان کی بے ضابطگی اور بدنیتی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

انیسویں صدی کی ابتدا تک یہ قاعدہ تھا کہ لڑائی میں جو کچھ لوٹا جاتا تھا اسے کمپنی کے گماشتے، فوجی افسروں اور مقامی شاخوں سے کے

داروغہ نہایت آسانی کے ساتھ آپس میں تقسیم کرلیا کرتے تھے۔ لندن میں کمپنی بہادر کے ڈائرکٹروں کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں انگریز بہت جیسس ہوا کرتے تھے۔ معمولی آدمی چند شلنگ سے زیادہ خرچ نہ کرتا تھا۔ وہ اپنے گھروں میں ناجائز طریقوں سے روپیہ بھیجنے کا انتظام کیا کرتے تھے۔

اس بدنیتی اور خستہ حالی کی میجر پرائس کی ڈائری بھی شاہد ہے جس کی سطور یہ ہیں :-

جب ہم نے سومبر کے قلعہ کو فتح کرلیا تو بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ ہم جب اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا خزانہ جو تہ خانہ میں بند تھا پہلے ہی دیسی فوج اپنے ساتھ لے گئی اور ہمارے لئے کچھ نہیں بچا بڑی مشکل سے کوئی چھ ہزار کی مالیت کا سامان ملا جو ہمارے جیسے افسروں کے لئے یقیناً ایک بڑی نعمت تھا۔ ہم بیچاروں کو صرف روزانہ ملتے تھے۔

۱۷۶۶ء میں جماعت ڈائرکٹران نے اپنی رپورٹ میں لکھا۔

ہمارے نزدیک اندرون ملک کی تجارت سے جو کثیر دولت حاصل کی گئی ہے وہ انتہائی ظالمانہ اور جابرانہ طریقوں کے استعمال کا نتیجہ ہے اور جس کی نظیر کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہ ملے گی۔"

لارڈ کلائیو کہتا ہے :-

"اس قدر بدعملی، رشوت خواری اور زیادہ ستانی کا منظر بجز بنگال کے کسی ملک میں دیکھا یا سنا نہیں گیا۔"

لارڈ میکالے لکھتا ہے :-

اس طریقہ سے بے شمار دولت بہت جلد کلکتہ میں جمع ہو گئی۔ درانحالیکہ تین کروڑ انسان حد درجہ برباد کر دیئے گئے بے شک ان لوگوں کو مظالم سہنے کی عادت تھی مگر وہ مظالم اس قسم کے نہ تھے کمپنی کی چھوٹی انگلی انہیں سراج الدولہ کے پٹھے سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔

سنہ ۱۷۶۲ء میں نواب بنگال نے انگریزی گورنر کو مندرجہ ذیل انگریزوں کی کمائی کے طریقے لکھے تھے :-

کمپنی کے ملازمان رعایا اور سوداگروں کا مال چوتھائی قیمت پر لیتے ہیں اور اپنے ایک روپے کے سامان کی قیمت کے ان سے پانچ روپے وصول کرتے ہیں

برکس بھی اپنی قلم سے اس زمانہ کی تصویر کھینچتا ہے۔

یہ مالامال خزانے کروڑوں آدمیوں کی صدیوں کی کمائی انگریزوں نے غضب کر کے لندن اسی طرح بھیجدی جس طرح روس نے یونان اور ونس والے بھیجدیئے تھے ہندوستانی خزانے کتنے قیمتی تھے کوئی انسان بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا لیکن وہ کروڑوں اشرفیاں ہوں گی۔ اتنی دولت اس وقت مجموعی یورپین دولت سے بہت زیادہ تھی

جان نشو سنہ ۱۸۳۳ء میں لکھتا ہے :-

انگریزوں کا بنیادی اصول یہ رہا ہے کہ ہر صورت میں ہندوستانی قوم کو اپنی اغراض کا غلام بنایا جائے ان پر محصولات

اتنے لگا دئے ہیں کہ اضافہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

رشوت ستانی کا زور

چنانچہ انگریزوں کی اسی ذہنیت کا نتیجہ تھا کہ اس دور میں بڑے بڑے افسروں پر رشوت ستانی کا الزام عائد ہوا۔ کلایو ۱۷۶۵ء میں گورنر ہوکر آیا۔ اس کی ناجائز حرکتوں نے لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈلوائے اور اس زمانہ میں جبکہ انگریزوں کے خلاف ایک لفظ زبان سے نکالنا جان سے ہاتھ دھونے کے برابر تھا۔ اس وقت کلایو پر رشوت ستانی کا الزام لگا۔ جس کی خفت میں اس نے پچاس سال کی عمر میں خودکشی کی اسکے بعد وارن ہیسٹنگز پہلا گورنر جنرل ۱۷۷۲ء میں ہوکر آیا۔ وہ بھی رشوت ستانی کے الزام سے اپنے دامن کو نہ بچا سکا۔ اس پر بھی سات سال تک مقدمہ چلا۔

عیاشی کا دَور دَورہ

ولیم فریزر نے تو حد کردی۔ یہ حضرت ۱۷۹۹ء میں کلکتہ آکر اُترے اور ۱۸۰۵ء میں اختر لونی کے معتمد مقرر ہوئے ۱۸۱۱ء میں ان کا معتمد ہوکر کابل گئے ۱۸۱۳ء میں اسٹن کا نائب مقرر ہوکر دہلی آئے ۱۸۱۵ء میں مارٹن ڈیل کی فوج میں پولیٹیکل ایجنٹ ہوکر ہمالیہ کا سفر کیا ۱۸۱۹ء میں گڑھوال کی ورہندی کے جھگڑے کا تصفیہ کرنے پر تعینات ہوئے ۱۸۲۶ء میں شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی مالگذاری کا رکن ثانی بنائے گئے۔ اور ۱۸۳۰ء میں شاہجہاں آباد کا ناظم یا صاحب کلاں ہوکر آئے۔

فریزر کا شرفا کی حویلی میں گھسنا

اس کی زندگی پوری عیاشانہ اور غنڈہ گردی کی زندگی ہے

اس نے حکمرانیت کی لُٹیا خوب ڈبوئی ہے۔ ان افعال کا کوئی متنفس تاریخ ہند میں
نظر نہیں پڑتا۔ چنانچہ اس عیاش طبیعت انگریز کے بارے میں آغا حیدر حسن
نبیرہ ہز ہائی نس عالی جاہ پرنس آغا حسن رقمطراز ہیں :-

> فریزر پرلے سرے کا ایک چھٹا ہوا تھا۔ میری دادی حضرت
> کے ہاں بڑی بوڑھی مغلانیاں، محمد خانم، شمسی خانم، شرف النساء
> وغیرہ کہا کرتی تھیں کہ نواب احمد بخش خاں کی صاحبزادی جہاں آرا
> بیگم یا حور لقا بیگم کے حسن کا شہرہ سُن کر زنانے کپڑے پہن
> ڈومنیوں کے ساتھ حویلی میں گھس گیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی
> صاحبزادی جب طشت چوکی ہو گئیں تو آنکھ بچا کر صحت خانہ
> میں گھس گیا۔ وہ ایک اجنبی صورت دیکھ کر ڈر گئیں۔ چیخ پکاری
> تو پہرے والیاں دوڑ کر اندر گئیں دیکھا کہ ایک لمبی تڑنگی عورت
> سرانچے کا بانس سر سے پیر تک چادر میں لپٹی کھڑی ہے۔ سب
> کی سب مل کر گھسیٹتی ہوئی باہر لائیں نوجوں کو بلایا۔ دکھوایا تو
> موا مردوا نکلا خوب جوتی کاری ہوئی۔

فریزر کا سروَن جاٹنی کو بھگانا

فریزر اپنی شروع جوانی میں ایک جاٹنی کو جس کا نام سروَن
تھا زبردستی اس کو گاؤں جا کر پکڑ لایا تھا۔ سروَن سے پہلے
کسی کہارنی کو گھر میں ڈال لیا تھا اور اس کے بعد ایک سنارنی
کو پکڑ لایا تھا۔ اس جاٹنی کی قلمی تصویر میرے ذخیرہ میں ہے

فریزر کی تصویر لال قلعہ کے عجائب خانہ میں ہے۔ اُس کے چہرہ سے آوارگی اور بدمعاشی بڑی برستی ہے۔ گالوں میں گڑھے پڑے آنکھوں میں حلقے، ہونق چہرہ، ٹھوڑی پر چھدری ڈاڑھی دیدوں کے برے طور، چھب تختی بداطواری کے علامات نمایاں ہیں غرض انجانتا تصویر دیکھ کر فوراً کہدے گا کہ یہ کسی بڑے بدطینت بدخصلت اور آوارہ منش کی شبیہ ہے۔

فریزر کے یہ سیاہ کارنامے مٹے نہیں ہیں۔ دلی کے بسنے والوں میں سے کونسا ایسا ہوگا جس نے گلابی جاڑے کی چاندنی راتوں میں قطب صاحب کے قیام یا آس پاس کے جنگلوں کی سیر میں ڈھولک اور سارنگی کے ساتھ لمبی اوپر جانے والی آواز ٹھڑاک کی کھٹ کھٹ سنے ملے ہوئے سروں میں فریزر اور سرون کا حسب ذیل گیت نہ سنا ہوگا۔ دلی والے فریزر کو فرنجن کہتے ہیں۔

دُھر کلکتہ سے چلا فرنجن پانچوں پیر منائے
اللہ جانے رے پانچوں پیر منائے

پانچ مقام دلی کے توے چھٹا گوبانہ گاؤں
اللہ جانے رے چھٹا گوبانہ گاؤں

دھولے کنوئیں پہ تنبو رے تانے میخیں دیں گڑوائے
اللہ جانے رے میخیں دیں گڑوائے

پانچ سوار چھپا سے فرنجن سرون ڈھونڈن جائے
اللہ جانے رے سرون ڈھونڈن جائے

جوکوئی سرون کا بھید بتائے ہاتھی دونگا انعام
اللہ جانے رے ہاتھی دونگا انعام

مینگے چھجانے بھید بتایا تو سرون باجرے میں
اللہ جانے رے سرون باجرے میں

ڈولے ڈولے چلا فرنجن پانچ سوار لئے
اللہ جانے رے پانچ سوار لئے

پانچ پیڑ باجرے کے کاٹے چھٹا نہ کاٹا جائے
ہاتھ میں گوپیا دو ٹنگے درانتی ٹوٹے بگاتی جائے

اللہ جانے رے توبے بکاتی جاتے ہے

ہاتھ پکڑا ہاتھی پہ ڈالا سرون روتی جائے — تیرا مریو سرون روتی جاتے

امی چندر وتا ڈولے سرون مری جائے — تیرا مریو سرون مری جائے

بھائی بھتیجو سبھی جو کنبہ مل لے — سرون پھر ملن کی نا سے

اُنٹ سکے ڈگو ندھ ہے دنائی کی پھر نہ گندھاون آئے — اللہ جانے رے پھر نہ گندھاون آئے

آگے لوہار کی پیچھے سنار کی بیچ میں سرون جائے — اللہ جانے رے بیچ میں سرون جائے

آدھی رات پہر کا تڑکا تارے گنتی جائے — اللہ جانے رے تارے گنتی جائے

چھوٹے بگڑ سے بڑے بگڑ میں جائے — اللہ جانے رے بڑے بگڑ میں جائے

پیڑی کا بیٹھنا چھوڑ میری سرون کرسی کا بیٹھنا سیکھ — اللہ جانے رے کرسی کا بیٹھنا سیکھ

ہاتھوں سے کھانا چھوڑ میری سرون چھری کانٹو نسے کھانا سیکھ — اللہ جانے رے چھری کانٹو نسے کھانا سیکھ

لہنگے کا پہننا چھوڑ میری سرون سائے کا پہننا سیکھ — اللہ جانے رے سائے کا پہننا سیکھ

فریزر سے سینکڑوں لوگ نالاں تھے جن کی بہو بیٹیاں اڑائی تھیں وہ تو اس کے خون کے پیاسے تھے اور آئے دن کے جھوٹے جھگڑے۔ ادھر اُدھر رنڈیوں، کسبیوں کے کوٹھوں اور راڈوں سے خرید لاتا تھا وہ الگ رہے شہر کے بیسیوں اوباشوں، رنڈی بازوں، بدمعاشوں سے اس کی لاگ ڈانٹ تھی۔ شریف اور امراء ملنے میں عار سمجھتے تھے۔ فریزر رات بے رات وقت بے وقت۔ اڈوں، کوٹھوں نشینوں، کنجریوں، خانگیوں میں خواب خستہ پڑا پھرا کرتا تھا۔ آخر اسی شہد پن میں جان گنوائی۔ ۲۲ر مارچ ۱۸۳۵ء راجہ کشن گڑھ کے ہاں ناچ گانے کا جلسہ تھا۔ خوب پی اور بدمست ہوا۔ آدھی رات کو گھر کی سوجھی کسی نے ختم کر دیا کیپٹنی کو موقع ہاتھ

آیا۔ نواب شمس الدین آف لوہارو کو فریزر کے قتل کرانے کے الزام میں گرفتار کرلیا۔

قاتل نواب کا لباس

گرفتاری کن وجوہات کی بنا پر عمل میں آئی جو غلط نواب صاحب سے منسوب کیا گیا اس کی کیا حیثیت تھی اسکو قطع نظر کرتے ہوئے ملاحظہ کیجئے کہ نواب صاحب موصوف کو کس لباس میں پھانسی دی گئی۔ چنانچہ اس کی تفصیل آغا حیدر حسب ذیل الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں۔

ہندوستان کے سب سے پہلے مسلمان نواب شمس الدین خاں ہیں جن کو پھانسی دی گئی۔ حکم انہوں نے بڑے استقلال سے سنا اس کے بعد کچہری سے باہر آئے اور جو معمول تھے ان میں سرمو فرق نہ آیا۔ بھوک میں ذرہ برابر کمی نہ ہوئی۔ اچھی طرح اطمینان سے کھانا کھایا۔ رات ہوئی تو سوتے بھی ایسی بے خبری سے کہ جیسے صبح کچھ ہونے والا ہی نہیں۔ لوگوں نے خراٹوں کی آواز سنی صبح غسل سے فارغ ہوکر وضو کیا۔ سبز پوشاک شہیدوں کا بانا پہن مقتل کی طرف روانہ ہونا چاہا لیکن ظالم موذیوں نے کپڑے جسم سے اتار لئے۔ اور ٹاٹ کی کرتی، ٹاٹ کا جانگیہ، ٹاٹ کی چڑیا ٹوپی پہنا کشاں کشاں لے گئے۔ بھنگی جو پھانسی کی رسی ڈالتا ہے اس نے جو نواب کو دیکھا رونے لگا اور اپنی بےبسی پہ ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ نواب بڑی متانت اور وقار سے آگے بڑھے۔ ذرہ برابر گھبراہٹ یا اضطراب کسی حرکت سے ظاہر نہ ہوتا تھا۔ جب پھانسی دی گئی تو رسی پڑی خود بخود نواب کی لاش قبلہ رخ ہوگئی۔

کمپنی میں پارٹی بازی

۱۷۷۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل بنگال کونسل مرتب کی اور اس کے لیے جو چار ممبر لندن بھیجے ان میں ایک شخص سر فلپ فرانس بھی تھا اس کی وارن ہیسٹنگز سے سخت دشمنی ہو گئی اور یہ مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ دونوں ایک دوسرے پر پستول سے فائر کئے گورنر جنرل اور اس ممبر کی دشمنی نے بنگال کی سیاست پر زبردست اثر اندازی کی۔ صوبہ میں دو مستقل پارٹیاں ہو گئی تھیں جو مخالف کو نیچا دکھانے کے لیے ہر قسم کے جائز و ناجائز طریقے اختیار کرتی رہتی تھیں۔

وارن ہیسٹنگز کے ایک دوست نے سر فرانسس پر اپنی بیوی کے اغوا کا مقدمہ چلایا۔ سر فرانسس کے ایک طرفدار اخبار نویس مسٹر ہکی نے اپنے اخبار بنگال گزٹ میں وارن ہیسٹنگز پر شرمناک حملے کیے اور وارن ہیسٹنگز نے اس اخبار نویس کے خلاف مقدمہ چلا کر اسے قید اور اس کے اخبار کو حکماً بند کر دیا۔

مہاراجہ نند کمار پر مقدمہ

انہی طویل پارٹی بندیوں اور ریشہ دوانیوں کی ایک کڑی سر فرانسس اور جنرل کلیولینڈ کے رفیق خاص مہاراجہ نند کمار کا مقدمہ ہے۔ مہاراجہ نند کمار بنگال کا ایک مشہور پرانا امیر تھا اسے شہنشاہ عالم ثانی نے مہاراجہ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ مہاراجہ وارن ہیسٹنگز کو راشی سمجھتا تھا اور صوبہ میں اس کا عام اعلان تھا کہ جس شخص کو گورنر جنرل سے کوئی شکایت ہو تو وہ میرے پاس آئے۔ چنانچہ اس نے اسی بنا پر وارن ہیسٹنگز پر رشوت ستانی کا الزام لگایا اور یہ مقدمہ کونسل میں لے گیا جس سے وارن ہیسٹنگز چراغ پا ہوا چنانچہ ۶ مئی کو مہاراجہ کے خلاف الزام لگایا گیا کہ اس نے ایک متوفی دوست

سیٹھ بلاقی داس کے ورثاء کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنے حق میں ستر ہزار روپیہ قرض کی ایک جعلی دستاویز تیار کی جس پر اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔

جعل سازی کے الزام میں پھانسی کی سزا

۸ جون ۱۷۷۵ء کو سپریم کورٹ میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی اور آٹھویں دن جعل سازی کے جرم میں مہاراجہ کے خلاف پھانسی کا فیصلہ صادر ہو گیا۔ اس سلسلہ میں یہ بات مشکوک ہے کہ آیا انگریزی قانون میں جعلسازی کی سزا پھانسی ہندوستان میں رائج تھی یا نہیں۔ ججوں نے انگلستان کے قانون کے مطابق یہ سزا دی ہوگی۔ ہندوستان کے قانون کے مطابق اس جرم کی سزا جرمانہ یا معمولی قید تھی۔

اس فیصلہ کے بعد اس زمانہ کے بہت سے مشاہیر نے جن میں نواب مرشد آباد بھی شامل تھے بادشاہ انگلستان کی خدمت میں درخواست رحم پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن وارن ہیسٹنگز نے اس کی اجازت نہ دی اور ۵ اگست کو بوڑھا مہاراجہ جس کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی کلکتہ میں موجودہ قلی بازار کے قریب پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا گیا۔[۵۱]

پھانسی کے تیرہ سال بعد وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل اور سرایلیجا امپی چیف جسٹس بنگال کی بعض بدعنوانیوں کے خلاف پارلیمنٹ میں اعتراضات کئے گئے تھے اس میں مہاراجہ نند کمار کا مقدمہ بھی شامل تھا۔ اس مقدمہ میں مہاراجہ نند کمار کو پھانسی دینے کی حسب ذیل تفصیل بھی شامل تھی جو کلکتہ کے مجسٹریٹ مسٹر الیگزینڈر میکرابی نے پھانسی کے "تین گھنٹہ بعد قلمبند کی تھی۔

---

[۵۱] ہسٹورینس ہسٹری آف ورلڈ جلد ۲۲ ص ۸۶ و ۹۴۔

امراء کو پھانسی دینے کا طریقہ

جمعہ ۴ اگست وقت سہ پہر کو میں مہاراجہ سے ملنے قید خانہ گیا۔ انہوں نے مجھے حسب معمول خندہ پیشانی سے سلام کیا اور مترجم کے ذریعہ اس طرح مجھ سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے کہ گویا انہیں اپنی پھانسی کی سزا کا علم ہی نہیں ہے میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کو یقین دلانے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ کل صبح پھانسی کے تکلیف دہ موقع پر میں جو کچھ سہولت آپ کو پہنچا سکتا ہوں پہنچاؤں گا اور اس بات کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا کہ آپ اپنی ہی فنس میں سوار ہو کر پھانسی کے میدان تک جا سکیں اور آپ ہی کے ملازم آپ کے ساتھ رہیں۔

مہاراجہ نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ جنرل کلیولینڈ کرنل مونسن اور مسٹر فلپ فرانسس سے میرا بہت بہت سلام کہہ دیجئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے بیٹے راجہ گوروداس کے سر پر اپنا دست شفقت رکھیں گے اس کے بعد مہاراجہ نے پیشانی پر انگلی رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ میکرابی صاحب تقدیر کے لکھے کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔

ہندوستانی شیر کا عزم و استقلال

مہاراجہ نند کمار کی آواز یا ان کی بذلہ سنجیوں میں ذرا فرق نہ آیا تھا مجھے اس مستقل مزاجی اور دلیری پر سخت حیرت ہوئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ تھوڑی دیر پیشتر اپنے داماد سے آخری ملاقات کر چکے تھے۔ ہمت و استقلال کے اعتبار سے میں نے مہاراجہ صاحب کے مقابلہ میں اپنے دل کو اس قدر کمزور پایا کہ زیادہ دیر ٹھہر نہ سکا اور مہاراجہ صاحب سے رخصت طلب کی جب میں ان کے کمرے سے

اُتر کر نیچے صحن میں آیا۔ مجھ سے جیلر نے اظہار حیرت کرتے ہوئے کہا کہ جب سے مہاراجہ نندکمار کے اعزہ واحباب ان سے آخری ملاقات کر کے گئے ہیں۔ مہاراجہ صاحب نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے اپنی بیاض پر یادداشتیں لکھ رہے ہیں اب مجھے محسوس ہوا کہ مہاراجہ نے شاید خودکشی کا تہیہ کر لیا ہے۔ اور صبح ہمیں کمرہ سے ان کی لاش ملے گی۔

ہفتہ ۵ اگست کو پھانسی

صبح ۶ بجے مجھے اطلاع ملی کہ پھانسی کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں میں ساڑھے ساتھ بجے جیل خانہ روانہ ہوا پھاٹک پر بے شمار آدمی جن میں عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی مہاراجہ کے لئے چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔ اس واقعہ کے تین گھنٹہ بعد میں اپنی رپورٹ قلمبند کر رہا ہوں لیکن لوگوں کی دردناک چیخیں اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہیں اور میرا دل اس وقت تک قابو میں نہیں ہے۔ جیسے ہی مہاراجہ کو میرے آنے کی اطلاع ہوئی وہ مسکراتے ہوئے نیچے اتر آئے اور جیلر کے کمرے میں مجھ سے ملاقات کی۔ ان کے ہاتھ میں مالا تھی اور وہ اپنے متبسم لبوں سے جپ رہے تھے۔ اتنے میں جیل کے ایک افسر نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ مہاراجہ نندکمار فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور بولے "چلتے ہیں پھانسی کے لئے بالکل تیار ہوں" یہ کہہ کر انھوں نے تین برہمنوں سے جو ان کی لاش کی دیکھ بھال کے لئے آئے تھے معانقہ کیا۔ برہمنوں کی آنکھوں سے دریائے اشک جاری ہو گیا لیکن مہاراجہ صاحب کے چہرہ پر غم و تشویش کا خفیف ترین اثر بھی نہ تھا۔ وہ بدستور مسکرا رہے تھے۔ میں نے اپنی گھڑی دیکھ کر مہاراجہ سے عرض کیا کہ ہماری روانگی کے لئے جو وقت مقرر ہوا ہے

اس میں ابھی نصف گھنٹہ کی دیر ہے لیکن میں تعین وقت کا فیصلہ آپ کی رائے پر چھوڑتا ہوں جب تک آپ خود چلنے کے لئے اشارہ نہ کریں گے میں اپنی کرسی سے نہ اٹھوں گا۔ اور پھانسی کے میدان میں بھی جب تک آپ اس بات کا اشارہ نہ کر دیں کہ آپ تمام دنیاوی امور سے فارغ ہو چکے ہیں اس وقت تک آپ کو پھانسی نہیں دیجائے گی

چٹکلے مہاراجہ نند کمار میرا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئے وہ اپنی مالا بھی جپ رہے تھے اور ہمیں طرح طرح کے چٹکلوں سے ہنسا بھی رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد میری طرف مسکرا کر دیکھا اور بولے میکرابی صاحب اب چلئے آپ کو میری وجہ سے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اس کے بعد وہ جیل کے ملازموں سے کہنے لگے۔ بھائیو میرا کہا سنا معاف کرنا۔ اگر مجھ سے تمہارے حقوق میں فروگذاشت ہو گئی ہو تو اس کی تلافی راجہ گور داس کر دے گا۔

مہاراجہ نند کمار نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جیل کے پھاٹک پر آئے جہاں ان کی فنس تیار کھڑی تھی میں ڈپٹی مجسٹریٹ کے ساتھ ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ راستہ میں ہجوم روپیٹ رہا تھا۔ پھانسی کے میدان میں مہاراجہ کی فنس رکھدی گئی۔ پنڈت آ گئے تو مہاراجہ نے پنڈتوں سے صرف اتنا کہا کہ پھانسی کے بعد میری لاش کو کوئی غیر شخص ہاتھ نہ لگائے۔

آخری ملاقات لوگوں کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے دیر ہو رہی تھی لیکن مہاراجہ کی جانب سے کوئی دیر نہ تھی وہ مجھ سے بار بار کہتے تھے کہ میں پھانسی کے لئے تیار ہوں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اگر آپ کسی شخص سے ملنا چاہتے ہیں تو اسے ملا دیا جائے۔ مہاراجہ نے ہنس کر جواب دیا

ملنا تو بہت لوگوں سے ہے لیکن ملاقات کا یہ مقام نہیں۔"

پھانسی کے لئے پاؤں کا اشارہ

میں نے پوچھا کہ آپ پھانسی کے لئے کیا اشارہ کریں گے؟ مہاراجہ نے جواب دیا ہاتھ ہلا دوں گا۔ میں نے کہا جس شخص کو پھانسی دی جاتی ہے اس کے ہاتھ تو باندھ دئے جاتے ہیں مناسب یہ ہے کہ آپ پیر سے اشارہ کر دیں۔ مہاراجہ نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "یہ بھی منظور"۔ میں نے کہاروں کو مہاراجہ کی پالکی پھانسی کے چبوترے کے پاس لے جانے کا حکم دیا لیکن مہاراجہ نے پیدل چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کے قدموں میں ذرا بھی لغزش نہ تھی۔ سینہ تنا ہوا تھا۔

ریشمی رومال

جب چبوترے کے پاس پہنچکر وہ سیڑھیوں پر چڑھنے لگے تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ پشت کی جانب کر کے باندھنے کا اشارہ کیا۔ مہاراجہ کے ہاتھ ریشمی رومال سے باندھ دئے گئے۔ اور وہ مجمع پر اطمینان و سکون کے ساتھ نظر ڈالتے ہوئے اوپر چڑھ گئے۔

چہرہ پر کپڑا ہندوستانی باندھے

اب مہاراجہ کے چہرہ پر کپڑا باندھنے کا سوال تھا انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ کام کسی ہندوستانی کو کرنا چاہئے میں نے ان کی خدمت میں ایک برہمن فوجی سپاہی کو پیش کیا لیکن مہاراجہ نے اس کو اشارہ سے روک دیا اور اپنے ایک ملازم کو جو ان کے قدموں پر سر جھکائے چیخیں مار مار کر رو رہا تھا اپنے چہرے پر کپڑا باندھنے کا حکم دیا۔ ملازم نے اپنے آقا کے حکم سے مجبور ہو کر رومال مہاراجہ کے چہرہ پر لپیٹنے لگا۔ اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے

میں نے اس نازک ترین موقعہ پر جب کہ دنیا مہاراجہ نند کمار کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو رہی تھی اور ان کا چہرہ کپڑے سے چھپایا جا رہا تھا ان کے چہرہ کو غور سے دیکھا اس پر خوف یا تشویش کی خفیف ترین علامت بھی نہ تھی۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ وہ مسکرا رہے تھے۔ مہاراجہ کے اس جرأت و استقلال کو دیکھ کر خود میری ہمت نے جواب دے دیا اور میں پھانسی کا نظارہ نہ دیکھنے کے لئے لپک کر اپنی پالکی میں گھس گیا۔ ابھی پالکی میں بیٹھنے بھی نہ سکا تھا کہ میدان میں شور و غل برپا ہوا۔ معلوم ہوا کہ مہاراجہ نند کمار نے پیر سے اشارہ کر دیا اور انہیں پھانسی دے دی گئی۔

لاش کی حالت طبیعت قابو میں آنے پر میں نے آگے بڑھ کر دیکھا مہاراجہ نند کمار کی لاش پھانسی پر لٹکی ہوئی تھی۔ ان کے ہاتھ اسی مقام پر تھے جہاں باندھے گئے تھے۔ جسم پر تشنج کا ذرا بھی اثر نہ تھا اور جب لاش اُتاری گئی تو چہرے کی حالت میں معمولی سا فرق نہ آیا تھا اور ہونٹوں پر وہی تبسم تھا مہاراجہ کی لاش آخری مراسم کے لئے پنڈتوں کے سپرد کر دی گئی۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ بوڑھے مہاراجہ نند کمار نے پھانسی کے وقت جس حیرت انگیز سکون و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اس کی مثال ملنا دشوار ہے۔

طریقۂ عدل اس زمانہ میں عدل و انصاف کا طریقہ انتہائی مہمل اور طفلانہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہیسٹنگز نے عدالتوں کا بندوبست کیا اور انگریزی عدالتوں کی بنیاد رکھی۔ اس نے انگریزی کلکٹروں کے ساتھ پنڈت اور مولوی مقرر کئے جو ان کو دھرم شاستر اور فقہ کے اصول سمجھاتے تھے۔ اُس نے کلکتہ میں اپیل کی دو عدالتیں بھی قایم کیں جو دیوانی اور فوجداری مقدمات علیحدہ

علیحدہ فیصلہ کرتی تھیں۔ قانون کی ایک کتاب بنائی گئی تھی۔ تاکہ عوام قانون سے واقف ہو جائیں۔

اختیار یہی وہ دَور تھا جبکہ مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے فقہ حنفی کے مطابق ہوتے تھے اور حکام و متعلقین عدالت زیادہ تر علماء ہوتے تھے۔ اس لیے عدالتی ضرورتوں کے لحاظ سے فقہ حنفی کے اصول و قواعد کے مطابق متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں یہ کتاب "اختیار" بھی تھی جو ۱۲۱۲ھ میں لکھی گئی تھی۔

اس کتاب کے مصنف کا نام مولانا سلامت علی خاں ہے جو حافظ قت خاں کے نام سے مشہور اور شہر محمد آباد میں عدالت مرافعہ ثانیہ میں احکام شرعیہ کے لکھنے پر مامور تھے۔ انہوں نے اس کتاب میں فقہ حنفی کے ایک حصہ یعنی تعزیرات کے متعلق فقہ کی مستند کتابوں مثلاً قدوری، ہدایہ، شرح وقایہ۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ فتاویٰ حمایہ۔ فصول عمادیہ۔ فتاویٰ سراجیہ۔ فتاویٰ تابعی۔ جامع الرموز اور اشتباہ و النظائر وغیرہ سے تمام مسائل مختلف ابواب میں نہایت جامعیت و استفسار کے ساتھ جمع کر دیئے ہیں۔ اور ان کتابوں کی اصل عبارت کے نقل کرنے کے بعد فارسی زبان میں ان کا خلاصہ بھی درج کر دیا ہے[1]۔

بنگال کے پہلے سپرنٹنڈنٹ کی ڈائری

انگریزی قانون پر شروع میں جس طرح عمل ہوا وہ بہت بھونڈا اور مضحکہ خیز تھا جو شاید کسی بھی حکومت کے دور میں اس بے ڈھنگے طریقے سے شروع نہ کیا گیا۔ جب سپریم کورٹ (موجودہ ہائی کورٹ)

---

[1] دیباچہ ترجمہ کتاب الاختیار۔

کلکتہ میں قائم ہوئی تھی۔ اس کی حیثیت یہ تھی کہ چند زیورات کی چوری تک کے مقدمات ابتدائی سماعت کے لئے وہاں پیش کئے جاتے تھے اور سزائے تازیانہ تشہیر کرنے اور جوتوں کی سزا دینے اور دریا پار کرنے کا اختیار بطور خود سپرنٹنڈنٹ پولیس کو تھا اگر آپ کو وہ مضحکہ خیز منظر دیکھنا ہے تو آیئے کلکتہ کے پہلے سپرنٹنڈنٹ پولیس بلیڈل کی ڈائری[1] کے چند اوراق ملاحظہ کیجئے کہ اس وقت عہد قدیم کے بزرگوں کا مذاق اڑانے والے کتنے شائستہ تھے۔

بھگوڑے ملازم کی سزا

۱۴ جون ۱۷۷۵ء۔ آج میں ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے دفتر کے برآمدے میں بیٹھا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ مسٹر جان نگول کے ملازم نے رپورٹ کی کہ اس کے آقا کا باورچی رحمٰن کام چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور اس کی جگہ جو نیا باورچی رکھا گیا تھا اسے رحمٰن نے مارا۔ میں نے رحمٰن کو بلوایا معلوم ہوا کہ وہ پرانا مفسد ہے اور ایسی حرکتوں کی بنا پر اس کا کان بھی کاٹا جا چکا ہے۔ میں نے حکم دیا کہ رحمٰن کے دس بید لگائے جائیں اور اسے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔

دھوکہ دہی کی سزا

کرنل واٹسن نے رپورٹ کی کہ رام سنگھ نے انہیں دھوکہ دیا اور اپنے کو بڑھئی ظاہر کرکے تنخواہ وصول کی حالانکہ وہ حجام ہے اور بڑھئی کے کام سے بالکل واقف نہیں۔ حکم ہوا کہ رام سنگھ کے پندرہ بید لگائے جائیں اور قلی بازار میں کرنل واٹسن کی کوٹھی تک اسے تشہیر کیا جائے۔

مزدوری حسب وعدہ نہ کرنے پر سزا

کپتان اسکاٹ نے شکایت کی کہ بنارسی نے

[1] یہ ڈائری بیدل کی وفات کے سات آٹھ سال بعد اسکے پوتے نے لندن کے برٹش میوزیم میں پیش کی تھی

اُن کی گاڑی کی مرمت حسب وعدہ نہیں کی حکم دیا گیا کہ تبارسی کے دس جوتے لگائے جائیں۔ مسٹر انیڈرسن پگی نے رپورٹ کی کہ ان کی لونڈی بھاگ گئی تھی لیکن اُسے چوکیدار نے گرفتار کرلیا۔ لونڈی کے دس بید لگائے گئے اور اسے مسٹر انیڈرسن پگی کے حوالے کر دیا گیا۔

چوری کی سزا

جیکب جورف نے شکایت کی کہ اس کے باورچی مقبول نے چند برتن چرائے۔ میں نے حکم دیا کہ ملازم کو ہرنگہ باڑی میں اس وقت تک قید رکھا جائے جب تک وہ برتن واپس نہ کر دے۔ رام ہری نے فریاد کی کہ رام گوپال اس کے بچے کی گردن سے تلسی دانہ اتار کر بھاگ رہا تھا اسے موقعہ پر گرفتار کر لیا گیا حکم ہوا کہ مجرم کے پانچ جوتے لگا کر اسے سارے شہر میں تشہیر کیا جائے

سرکاری حکم نہ ماننے کی سزا

آٹھویں ڈویژن کے سپاہی بانکے نے ایک لڑکے کے مولیہ کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا۔ وہ کئی بار چوری کے الزام میں سزایاب ہوچکا تھا اور آخری مرتبہ میں نے حکم دیا تھا کہ اسے پندرہ بید لگا کر ہمیشہ کے لئے دریائے ہگلی کے دوسری جانب نکال دیا جائے۔ لڑکا مفسد ہے۔ میرے حکم کے خلاف دریا کو عبور کر کے پھر کلکتہ میں آیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ میں نے اسے بیس بیدوں کی سزا دی اور دریا پار کرا دیا۔

راہ گیروں کو چھیڑنے کی سزا

مسٹر تولے نے اپنے جمعدار گنگو کی رپورٹ کی کہ وہ سڑک پر راہ گیروں کو چھیڑتا ہے۔ حکم ہوا پانچ جوتے لگائے جائیں۔

غلط رپورٹ کرنے کی سزا

باقر محمد نے مسماۃ رام جیتی کے خلاف

شکایت کی کہ اس نے مستغیث کی بیوی کو مغلظ گالیاں دیں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ باقر محمد کی بیوی بھی مسماۃ رام رجنی سے کم بدمزاج اور جنگ جو نہیں دونوں عورتیں آپس میں گالی گلوچ کرتی ہی رہتی ہیں۔ چونکہ اس فضول شکایت سے میرا وقت خراب کیا گیا تھا اس لئے باقر محمد اور رام رجنی دونوں کو پانچ پانچ روپیہ جرمانہ کی سزا دی اور کہدیا کہ اگر آئندہ اس قسم کی شکایت میرے کانوں تک پہنچی تو رام رجنی اور محمد باقر کی بیوی دونوں کو دریا پار کر دیا جائے گا۔

چوری کی تشہیر کی سزا

مسٹر کینیڈل نے اپنی مہترانی کے خلاف شکایت کی کہ وہ آبدارخانہ کی بوتلیں چرا کر ایک کالے یعنی ہندوستانی) دوکاندار بکتا رام کے ہاتھ فروخت کرتی ہے۔ بکتا رام نے اقبال جرم بھی کیا۔ ہٹو بچیوں کی شرارت کا سدباب کرنے کے لئے حکم دیا گیا کہ بیس بید بکتا رام کے لگائے جائیں اور دس بید مہترانی کے اور دونوں کو پنجرے میں بٹھا کر تشہیر کیا جائے۔ کمپنی کے کلرک مسٹر پسیج نے شکایت کی کہ خدا بخش اور پیاری سے ان سے پیشگی تنخواہ لے لی ہے مگر دونوں کام نہیں کرتے دونوں کو دس دس جوتوں کی سزا دی گئی

چاول کے عمل سے ملزم کی گرفتاری

مسٹر ولکنسن کے بنگلہ میں چوری ہوئی انہوں نے عمل کے ذریعہ چور پکڑنے کے لئے ایک ملا کی خدمت حاصل کی۔ ملا نے ان کے ملازموں کو چاول چبانے کے لئے دئیے ولکنسن کی دائی گودی کے منہ سے سوکھے چاول نکلے اور اس پر شبہ ہوا دائی نے ملا کو بطور رشوت دس روپے نقد دے کہ وہ

مسٹر ولکنس سے اسکی چوری کا ذکر نہ کرے مسٹر ولکنس کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے مجھے رپورٹ کی حکم دیا گیا کہ دائی گوری کو مزید تفتیش تیسرے ڈویژن کے تھانہ میں بند رکھا جائے

جوتہ لگانا قانونی سزا تھی

مسٹر بلینڈل کی ڈائری کے مطالعہ سے ہندوستان میں برطانوی انصاف کی ابتدائی انگریز پرستی کی قلعی کھل جاتی ہے کہ وہ کس طرح رعایا پر انگریزوں کا رعب جمانے کے لئے صرف حسب وعدہ حرمت نہ ہونے پر جوتے پڑواتا ہے۔ اس ڈائری سے ان باتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ہندوستانی امراء کی طرح انگریزی حکام کے جلو میں بھی چپڑاسی ہوتے تھے اور انگریز حقہ پیتے تھے۔ لونڈی غلام رکھنے کا رواج عام تھا انگریزوں کے قبضہ میں بھی لونڈیاں تھیں۔ اگر کوئی لونڈی اپنے مالک کے جبر و تشدد سے نجات حاصل کرنے کے لئے بھاگتی تو اسے سزائے تازیانہ کی مستحق سمجھا جاتا تھا جوتے لگانے کی سزا کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔ برطانوی نظم و نسق سے بیشتر عادی مجرموں کا ایک کان کاٹ دیا جاتا تھا۔

مولویوں کے عملیات کا زور

اس زمانہ کے انگریز بھی مولویوں کے عملیات کے قائل تھے اور چوری تک کے معاملات میں مولویوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور وہ اٹھارھویں صدی میں مشتبہ اشخاص سے چاول چبوا کر چور کا پتہ لگاتے تھے۔

سزائے تشہیر کا طریقہ

مسٹر بلینڈل کی ڈائری میں بعض مجرموں کے لئے جو سزائے تشہیر تجویز کی ہے اس کا طریقہ یہ تھا کہ مجرم کو بڑے سے چوبی پنجرے میں بند کر دیتے تھے اور پنجرا ایک خاص

قسم کی بنی ہوئی اونچی گاڑی کے دھرے سے (جس کے پہیئے پندرہ سولہ فٹ بلند ہوتے تھے) لٹکا دیا جاتا تھا۔ پولیس کے سپاہی گاڑی کے ساتھ ہوتے تھے اور آگے ایک شخص ڈھول بجا کر مجرم کے نام اور نوعیتِ جرم کی تشہیر کرتا تھا

سنیاسی لٹیروں کا قلع قمع

سنیاسی جو نتنی پہاڑ کے باشندے اور مادر زاد ننگے رہتے تھے۔ ان کے نہ گاؤں تھے اور نہ گھر، جگہ جگہ مارے مارے پھرتے تھے بچوں کو چرانا ان کا کام تھا جس سے وہ اپنی تعداد میں اضافہ کر لیتے تھے۔ ان میں سے بہت سے مسافروں کی شکل میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ ان کو گرفتار کر کے ہیسٹنگز کے دور میں سخت سزائیں دیں تب ان کا وجود ختم ہوا۔ اور بنگال میں امن و امان قائم ہوا۔

قطع اعضا کی سزائیں منسوخ

۱۷۸۶ء میں لارڈ کارنوالس گورنر جنرل کے عہد میں ناک، کان، ہاتھ، پاؤں، وغیرہ کاٹنے کی سزائیں بند ہوئیں۔ نذریں اور رشوتوں کو ممنوع قرار دیا گیا۔ عدالتوں کی اصلاح ہوئی۔ دیوانی اور فوجداری کے محکمے علیحدہ علیحدہ ہوئے۔ نائب ناظم سے فوجداری اختیارات چھین لئے مسلمانوں کے مقدمات میں شریعت کی پابندی ڈھیلی پڑ گئی۔ اسی طرح شاستر کے پورے اصولوں پر عمل کیا جاتا تھا۔ لارڈ کارنوالس نے ایک مجموعہ قوانین بھی مرتب کیا تھا جو "کارنوالس کوڈ" کے نام سے مشہور ہے۔

پنڈاروں کا خاتمہ

پنڈارے لوگ جو کسی خاص ذات کے آدمی نہ تھے اور جو پہلے شیواجی کی فوج میں بھرتی ہوئے تھے

لوٹ مار سے اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ ان میں کچھ پٹھان بھی تھے۔ مگر رفتہ رفتہ سب قوموں کے بدمعاش ان سے آملے۔ انگریزوں کی خاموشی کی وجہ سے ان کا زور بڑھتا چلا گیا۔ وہ بڑا سنگدل اور ظالم گروہ تھا وہ کبھی ایک جگہ مقام نہیں کرتے تھے جس کسی صوبہ میں جاتے وہاں قتل و غارتگری کرتے اور لوٹ مار مچاتے۔ ان کے دو دو تین تین ہزار کے گروہ تھے جو چالیس چالیس پچاس پچاس میل کا دھاوا مارتے تھے۔ ان کے لوٹنے اور ظلم کرنے کے یہ طریقے تھے کہ گرم راکھ کا تھیلا گردن سے لٹکا دیا کرتے تھے اور زور سے سانس لینے پر مجبور کرتے تھے۔ پھیپھڑوں پر اس کا اثر برا ہوتا تھا اور تھوڑی دیر میں آدمی مر جاتا تھا۔

مالکم لکھتا ہے کہ پنڈاروں کی مستورات ان کے ساتھ رہتی تھیں اور اپنے گھر والوں کے ظلم و ستم کو دیکھ کر وہ بھی بہت سنگدل ہو گئی تھیں وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ سانڈنیوں پر سوار ہو کر گھومتی تھیں اور دیہاتی لوگ ان کے مردوں سے زیادہ خائف ہوتے تھے۔

مارکوس آف ہسٹینگز کے زمانہ (۱۸۱۳ء تا ۱۸۲۳ء) میں ان کے تین سردار تھے۔ امیر خاں، واصل محمد اور چیتو۔ یہ لوگ سندھیا کی فوجوں سے مل کر لوٹ مار کیا کرتے تھے اور دیہاتوں کو تباہ کرتے پھرتے تھے۔ ۱۸۱۵-۱۶ء میں انہوں نے نظام الملک کے ملک میں لوٹ مار کی اور شمالی اضلاع کو برباد کر دیا لارڈ ہسٹنگز نے ایک فوج تیار کی اور پنڈاروں کو محصور کر لیا۔ جن میں سے بہتوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ ۱۸۱۸ء تک پنڈارے ختم ہو گئے تھے۔ امیر خاں نے ماتحتی قبول کی۔

واصل محمد نے خودکشی کی چیتو کو چیتے نے کھا لیا اور سردار امیر خاں کے عہدِ معاونت نے ریاست ٹونک دلوائی۔

رسمِ ستی کی ممانعت

لارڈ ولیم بنٹنک نے ۱۸۲۹ء میں ایک قانون پاس کیا جس سے رسمِ ستی ممنوع قرار دی گئی اور یہ اعلان کر دیا کہ جو ستی ہونے میں اعانت کرے گا اس کو قتل کی سزا دی جائے گی۔ ستی کا رواج ہندوستان میں عہدِ قدیم سے جاری تھا۔ سنہ ۱۸۲۹ء میں صرف بنگال میں سات سو عورتیں ستی ہوئی تھیں۔

جلاوطنی

سنہ ۱۸۵۸ء میں حکومتِ برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ذمہ داری خود لے لی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستانی قیدی کے لئے جلاوطنی کا قانون اسی طریقہ سے نافذ ہوا جس طرح انگلینڈ کے جلاوطنوں کے لئے جو پہلی بستی تجویز کی گئی وہ بنکولین جنوب مغربی سماٹرا میں تھی سنہ ۱۷۸۷ء میں ہندوستانی قیدیوں کا پہلا جتھا وہاں بھیجا گیا۔ وہاں قیدیوں کو عام طور پر سڑکیں بنانے اور جنگل صاف کرنے کے کام میں لگایا جاتا تھا۔ اور کئی قیدی وہاں کے سرمایہ دار لوگوں کو جن کے پاس باغات ہوتے کرایہ پر دے دئے جاتے تھے۔

وہاں قیدی اپنی شادی کر لیتے تھے۔ چنانچہ بہت سے قیدی وہاں سے بوجہ مجبوری نہیں آ سکتے تھے چنانچہ سر اسٹامفورڈ ریفلس گورنر سنہ ۱۸۱۸ء میں لکھتا ہے

جلاوطنوں کو واپس جانے کی خواہش نہیں رہتی وہ وہاں کافی تعلقات پیدا کر لیتے ہیں اور کئی باتیں ان کی کشش کے لئے وہاں ہوتی ہیں اس لئے وہاں سے واپس آنا وہ ایک سخت سزا تصور کرتے ہیں۔

اس تحریر میں اگرچہ مغالطہ سے کام لیا گیا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ اُن کو جو کنوارپن میں وہاں کو دقت ہوتی ہے وہ شادی کے بعد چلی جاتی ہے وہ اپنے وطن میں آنا خوش قسمتی سمجھتے ہیں بدقسمتی نہیں۔

۱۸۲۳ء میں ہندوستانی جلاوطنوں کے لئے ڈیج بستی مقرر کی گئی اور ان کو پینانگ میں رکھا جانے لگا۔ ۱۸۲۵ء میں سنگاپور اور ملاکا میں جلاوطن بھیجے جانے لگے اور پینانگ میں بھیجنے کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ وہاں ایک بڑا کامیاب تجربہ ہوا جس کا اثر ہندوستان کی جیلوں کے نظام پر اچھا پڑا۔ جو یہ تھا کہ قیدیوں کو وارڈر مقرر کیا جانے لگا یہ تجربہ مسٹر بون ہم ریذیڈنٹ سنگاپور کو ۱۹۲۵ء میں اس وقت ہوا جبکہ انہوں نے محسوس کیا کہ قیدی سبق آموز کام کرتے ہیں تو ان سے یہ کام کیوں نہ لیا جائے چنانچہ انہوں نے اپنا چپراسی علیحدہ کر دیا اور اس کی جگہ تنخواہ دار مدراسی قیدی لگائے اور ان کو قیدیوں پر وارڈر مقرر کر دیا۔ اس تجربہ کی وجہ سے تمام ہندوستان کی جیلوں میں اس طریقہ کو رائج کیا گیا۔[۵۱]

مسٹر بیٹس کی بستیاں جہاں جلاوطن قیدی رکھے جاتے تھے وہ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۷۳ء تک ۴۸ سال رہیں اور بعد میں بند کر دی گئیں لیکن ۱۸۶۷ء میں مسٹر بان ۲۰۰ قیدیوں کے ساتھ پینانگ سے انڈیمان گئے اور وہاں جلاوطنوں کے لئے نئی بستیاں تیار کرانی شروع کیں۔ اس مقام پر ۱۸۷۳ء میں ان جلاوطنوں کو رکھا گیا جن کی سزا کی میعاد ختم نہیں ہوئی تھی لیکن جو تعطیل پر گئے تھے ان کو آبادی میں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن ۱۸۷۳ء کے بعد تمام جلاوطنوں کو جو کہ جسمانی طور پر تندرست تھے ان کو انڈیمان بھیجا جاتا تھا۔ اور خاص طور پر مارچ ۱۸۵۸ء سے بغاوت ہند کے

---

۵۱ مسٹر بارکر از امپریزنمنٹ صفحہ ۔

قیدی یہاں لاکر رکھے جانے لگے۔ چنانچہ مولانا محمد جعفر تھانیسری اپنی تصنیف کالاپانی میں تحریر فرماتے ہیں۔

مشاہیر ہند کالے پانی کے قیدی

غدر ۱۸۵۷ء کے بدولت بیسوں راجے، نواب، زمیندار، مولوی، مفتی، قاضی، ڈپٹی کلکٹر، منصف، صدر امین، صدرالصدور، رسالدار، صوبہ دار، جمعدار وغیرہ وہاں قید تھے۔ وہ معزز ہندوستانی جن کے آگے سینکڑوں ہزاروں نوکر رہتے تھے۔ سیاہ پوست اور ہندی ہونے کی وجہ سے دوسرے چوہڑے چماروں کی طرح موٹا جھوٹا کھانا پاتے اور عام لوگوں کے ساتھ سخت مشقت کرتے تھے۔ مگر حضرات یورپین گورے بلکہ اکثر دوغلے کالے کلوٹے بھی فقط بوجہ شرف کوٹ پتلون یا کلمہ عیسائی کے پلٹن کے گوروں کے برابر کھانا کپڑا پاتے تھے۔ ایک علیحدہ بنگلیا اُن کے رہنے کو ایک نوکر بلا تنخواہ خدمت کے لئے اور جس گورے یا دوغلے کو لائسنس مل گیا تو ان کو پچاس روپے ماہوار تک نقد تنخواہ ملتی تھی۔

کالے چمڑے کی بے عزتی

یہ تو سب کچھ تھا مگر ۱۸۷۹ء کا ایک نیا واقعہ حیرت انگیز دیکھ کر لوگوں کو رونا آتا تھا اور وہ یہ ہے کہ ۱۸۷۹ء میں ایک بدبخت راجہ جگن ناتھ پوری جس کے واسطے مدت تک اخباروں نے بھی سر پھوڑا تھا۔ قید ہو کر کالے پانی پہنچا۔ مگر بوجہ کالا چہرہ ہونے کے بے چارہ عام چوہڑے اور چماروں کے ساتھ کھانا پاتا اور مشقت کرتا تھا اور جب نازک مزاجی سے وہ مشقت نہ کرسکتا تو بید اور جیل اور چکی پیسنے کی سزا پاتا رہا۔ آخر انہیں صدموں سے تھوڑے روز بعد وہ راجہ دہیر جیل میں مرگیا۔ اور

انہیں ایام میں مسٹر لیمبیر نامی ایک کرانی بھی گو بدن سے کالا مگر یوریین نام اور کوٹ پتلون سے مشرف ملک اودھ سے قید ہو کر وہاں پہنچا تھا وہاں اس کو گوروں کے ساتھ عمدہ کھانا ملنے لگا ایک علیحدہ مکان پلنگ وغیرہ کا سامان عیش و آرام بھی اس کو دیا گیا اور بجائے مشقت کے کچہری ڈپٹی کمشنر میں کلرک ہو گیا چونکہ یہ بخت راجہ اور یہ خوش نصیب کرانی دونوں ایک ہی وقت وہاں پہنچے تھے۔ یہ اختلاف سلوک وطن داری اور ناقدری شرفاء امراء ہند دیکھکر ہر ایک کو رونا آتا تھا۔

داغ دائم الحبس

سنہ ۱۸۵۸ء سے سنہ ۱۸۶۵ء تک کالا پانی میں یہ قاعدہ رہا کہ جو قیدی کالے پانی جاتا اس کا ماتھا کھود کر پیشانی پر اس کا نام اور جرم اور لفظ دائم الحبس لکھا جاتا تھا۔ وہ نوشت مثل نوشتہ تقدیر تمام عمر نہیں مٹتا تھا۔ لیکن مولانا محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں کہ یہ قاعدہ ہمارے پہنچنے سے کچھ پہلے تمام عملداری میں موقوف ہو گیا تھا۔ اس سبب سے داغ دائم الحبس سے ہم محفوظ رہے۔ سنہ ۱۸۵۸ء سے سنہ ۱۸۶۵ء تک اس جزیرہ کی آب و ہوا سم قاتل تھی چنانچہ جس کو زخم ہو جاتا تھا وہ تین روز بعد سڑ جاتا اور چوتھے دن مر جاتا۔ مولانا تھانیسری ۱۱ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء کو انڈمان پہنچے جب وہاں کی آب و ہوا اچھی ہو گئی تھی۔

قیدیوں کے ساتھ سلوک

بیماری کی کثرت اور نئی آبادی کی وجہ سے حکومت نے شروع میں قیدیوں کے واسطے قانون نہایت نرم رکھے اور قیدیوں سے بہتر سلوک کیا جاتا تھا۔ مگر جب وہاں کی آب و ہوا عمدہ ہو گئی تو سنہ ۱۸۶۸ء میں سخت قانون نافذ کر دئے جو ہندوستانی جیلوں میں بھی روا نہیں رکھے گئے تھے۔ چنانچہ قانون انڈمان مصدرہ سنہ ۱۸۷۱ء کی

غایت یہ تھی کہ "سزائے حبس بعبور دریائے شور سے سخت مشقت لینا اور فقط اس قدر کھانا پینا دینا جس سے آدمی زندہ رہ سکے اور مرے نہیں" اس جزیرے میں قیدیوں کے رہنے کا عام قاعدہ یہ تھا کہ جہاز سے اترتے ہی ایک ہفتہ بعد ان کی بیڑی کٹ جاتی تھی۔ یہاں کوئی جیل نہیں ہے بارکوں میں یہ قیدی ماتحت قیدی افسروں کے رہتے ہیں۔ ان میں ہندوستانی قیدیوں کی طرح مشقت کرتے ہیں۔ دو وقت ان کو پکا ہوا کھانا ملتا ہے رات کو انہیں بارکوں میں سو رہتے ہیں۔ ان بارکوں کے محافظ سوائے قیدی افسروں کے اور کوئی پولیس یا جنگی پلٹن نہیں ہوتی تھی۔ غرض قیدیوں کی حفاظت اور نگرانی اور ان کا کام تقسیم کرنا اور ان سے کام کروانا یہ سب پرانے قیدی افسروں کے سپرد ہے جو سر پر لال دو پٹہ اور گلے میں چپراس ڈالے رہتے اور حسب مدارج اپنے عہدوں کے سوا خوراک کی نقد تنخواہ بھی سرکار سے پاتے ہیں۔ ان نئے قیدیوں کو بھی بشرطیکہ نیک چلنی تین چار برس کے بعد کسی قدر تنخواہ ملنے لگ جاتی ہے اور تنخواہ پانے کے بعد یہ نئے قیدی بھی پٹے والے افسر مقرر ہو جاتے ہیں۔ دس برس نیک چلن رہنے کے بعد ہر ایک مرد قیدی ٹکٹ پانے کا مستحق ہو جاتا ہے اور ٹکٹ یہ ہے کہ قیدی آزاد ہو کر بارک سے نکل جاتا ہے وہ شہر اور بستیوں میں رہ کر جو چاہے پیشہ کرے اور کھائے کمائے۔ قریب پچاس ساٹھ قیدیوں کی بستیاں آباد ہیں جن میں قیدی ہی نمبردار اور چوکیدار اور پٹواری ہیں جو لوگ کھیتی کرنے کا ٹکٹ لیتے ہیں ان کو گاؤں میں تو نوڑ زمین بقدر پانچ ٹسگ کے مفت سرکار سے مل جاتی ہے اور تین برس تک محصول معاف رہتا ہے اور کبھی کبھی کچھ تقاوی، بیل اور خوراک سے بھی سرکار مدد دیتی ہے اس ٹکٹ پانے کے

بعد قیدی آزاد ہو جاتا ہے جو چاہے کرے۔

قیدی عورتیں

جو عورتیں قید ہو کر آتی ہیں وہ ایک علیحدہ جزیرے میں ماتحت قیدی عورتوں اور افسروں کے بارک میں رہتی ہیں عورتوں کو بھی اپنی باری کے اندر پسائی سلائی وغیرہ کی مشقت کرنی پڑتی ہے۔ عورتوں کو پانچ برس کے بعد آزادی کا ٹکٹ مل جاتا ہے۔ لیکن جوان عورتیں جب تک شادی نہ کر لیں ٹکٹ پا کر اپنی بارک سے باہر نہیں جا سکتیں پانچ برس گذرنے کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ جس مرد سے چاہے شادی کرے۔ مردوں میں سوائے ٹکٹ والوں کے مستثنیٰ بارک باش قیدی شادی نہیں کر سکتے۔

شادی کا طریقہ

جو مرد شادی کرنا چاہتا ہے وہ عورتوں کے ٹاپو میں جا کر کسی عورت کو پسند کر کے کچھ ان کو دے دلا کر راضی کر لیتا ہے۔ منظور ہوتا ہے تو ان کو ایک اقرار نامہ اپنی رضامندی اور محبت و موافقت سے مل کر رہنے کا چیف کمشنر کے روبرو لکھ دینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد بیوی میاں کے گھر میں چلی آتی ہے۔ ٹکٹ والے قیدی ملک سے اپنے بال بچوں کو بھی بلا سکتے ہیں۔ جب کوئی قیدی بیس برس تک نیک چلن رہتا تو اپنے وطن کو آ سکتا ہے اور ٹکٹ پانے کے بعد قیدی کو اختیار ہے کہ جائز کمائی سے چاہے لاکھوں روپیہ جمع کر لیں مگر ٹکٹ سے پہلے بلا اطلاع و اجازت حکام وہ کچھ اپنے پاس نہیں رکھ سکتے اور نہ کسی دوسرے کے پاس جمع کرا سکتے ہیں۔ قیدی جب تک بارک میں رہ کر مشقت کرتے ہیں ایک برس یا تین مہینے میں ایک خط اپنے گھر روانہ کر سکتے ہیں اور ایک خط آمدہ پا سکتے ہیں مگر ٹکٹ والے مہینہ میں ایک خط بھیج سکتے ہیں

اور ایک منگا سکتے ہیں۔

ذات پات کا خاتمہ یہاں ذات پات کی بیماری اور قوم کی پابندی کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ جس بیماری میں ہندوستان پھنسا ہوا ہے۔ مسلمان مرد خواہ کسی ذات کا ہو ہر مسلمان عورت سے بلا روک ٹوک شادی کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہندو بھی ہر ایک ذات کی ہندو عورت سے شادی کر لیتا ہے۔ برہمنوں کے گھر میں پاسنیں اور جاٹوں کے گھر میں برہمنیاں موجود ہیں

چیف کمشنر کے اختیارات یہاں کا چیف کمشنر سشن جج بھی ہوتا ہے اور اس کا حکم ناطق سمجھا جاتا ہے یہی ہائی کورٹ کے اختیارات رکھتا ہے۔ جو ایکٹ چاہتا ہے جاری کرتا ہے اور جس حاکم کو چاہتا ہے وہ اختیار دیتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی آدمی باہر نہ باہر جا سکتا ہے اور نہ آ سکتا ہے۔ مال واسباب کی بھی یہی صورت ہے۔ اس کے قواعد ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ آجکل یہ جزیرہ جاپان کے قبضہ میں ہے۔

تحریک وہابیان اس کا زور ۱۸۶۳ء میں تھانیسر سے شروع ہوا۔ اور ہندوستان کے مختلف ممالک میں گرفتاریاں عمل میں آئیں اور لوگ لمبی لمبی سزائیں پاکر داخلِ حبس کئے گئے یہ سلسلہ دس سال ۱۸۷۲ء تک جاری رہا۔ چمبرلین صاحب اس دار وگیر وہابیوں کے کمشنر تھے اور راولپنڈی اس کا صدر مقام تھا۔ چمبرلین صاحب کی موت کے بعد یہ محکمہ ختم کر دیا گیا تھا۔ اس تحریک میں مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کو بھی دہلی سے راولپنڈی طلب کیا گیا تھا تاکہ ان سے ہندوستان کے اہلحدیثوں کے نام معلوم کئے جائیں چمبرلین

صاحب کی موت کی وجہ سے مولانا کو بھی رہائی ملی اور وہ خیریت سے دلی تشریف لائے

ٹھگ اور زہر دینے والے

ہندوستان میں ٹھگ اور زہر دینے والوں کی مجرمانہ حرکتیں عہد بعید سے چلی آتی تھیں جو تمام ہندوستان میں مشترک مقاصد کے ماتحت ایک وسیع برادری کی شکل میں منظم کی گئی تھیں۔ اس خطرناک سازش سے ملک کا کوئی صوبہ محفوظ نہ رہ سکا تھا ہر ایک صوبہ کی فضا مکدر ہو چکی تھی چنانچہ سی۔ پی بنگال۔ مدراس بمبئی۔ یو۔ پی۔ سندھ۔ پنجاب کی کسی شہری سڑک کا راستہ ایسا نہ تھا جو ان ٹھگوں کے وجود سے خالی ہو۔ اور انسانی لاشیں بیدردانہ طریقہ سے گلے گھٹی ہوئی پڑی نہ ہوں۔

ٹھگی کے طریقے

یہ ٹھگ مختلف قسم کے چولے بدل کر اپنا مقصد پورا کر لیتے تھے اور ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ قصبات میں مسافروں کو فریب سے زہر کھلا کر یا گلے میں کپڑے کا پھندا ڈال کر مار ڈالتے تھے۔ اور ان کا مال و متاع لے کر فرار ہو جاتے تھے۔ نیز یہ گروہ بچوں کو بھی قتل کرنے سے گریز نہ کرتا تھا۔ ان کے قتل دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے لڑکوں کو اغوا کر کے فروخت کرنے کی وجہ سے ہوتے تھے۔ یہ ٹھگ "میگھ پونیا" کہلاتے تھے جو ہندی میں صحیح میگھ پھندیاں ہے۔ میگھ کیل اور پھندیاں پھندے کو کہتے ہیں۔ جو تسمہ باز کے مترادف ہے۔ تسمہ باز قینچی کے ساتھ شعبدہ[1] بازی کرتے ہیں جس سے بھولے بھالے اور دیہاتی قسم کے لوگ ان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ دہلی جامع مسجد کے دریبہ والے دروازے کی پشت کی سڑک پر اب بھی جرائم پیشہ لوگ فوری ضرورت پر اسی طرح لوگوں کی جیبیں خالی کرا لیتے ہیں۔

---

[1] ریمارکس اینڈ ریکلاکشن ص ۸۵

سنہ ۱۸۰۳ء میں کانپور کے برطانوی رجمنٹ میں ایک کریگ سپاہی نے تین آدمیوں کو تسمہ بازی کا طریقہ سکھایا تھا۔ یہ آدمی یورپین تسمہ باز ٹھگوں کے لیڈر بن گئے تھے[۱]

تسمہ بازی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ فیتہ دُہرا کر کے لپیٹ لیا جاتا تھا اور اس میں اس بات کو کمال سمجھا جاتا تھا کہ لپٹے ہوئے فیتہ میں سلاخ اس طرح پڑے کہ اگر اس کو کھولا جائے تو سلاخ فیتہ کے بیچ میں آجائے اور ایک سرا چھوٹے بغیر سلاخ نہ نکلے۔ یہ تسمہ باز ٹھگ منگھپونیا کی طرح ہوتے تھے۔ اُن کے ٹھگنے کا ایک ہی طریقہ نہ ہوتا تھا بلکہ کافی نئے نئے طریقوں سے وہ لوگوں کو ٹھگتے تھے۔ جنرل ہروی نے منگھپونیا کے ٹھگوں کے سات طریقے ریکارڈ میں لکھے ہیں جو راجپوتانہ میں رائج تھے

زہر دینے والوں کی دو یا تین اشخاص کی جماعت آٹھ یا دس مسافروں کو کامیابی کے ساتھ زہر دے کر ختم کر دی تھی۔ یہ زہر دینے والے ان مسافروں کے ساتھ کچھ دن سفر کرتے، تعلقات قائم کرتے، بھائی چارگی ظاہر کرتے۔ اور کسی خاندانی خوشی کے موقع پر ان کو دعوت میں مدعو کرنے کا ذکر کرتے اور جب اعتماد قائم ہوجاتا تو ان کے لئے بازار سے آٹا لاکر زہر کی آمیزش کر کے کھلا دیتے تھے جو دھتورے کے بیجوں کا انتہائی مہلک اور زود اثر زہر ہوتا تھا۔ بسا اوقات یہ ذلیل حرکات ان ٹھگوں کی بوڑھی عورتیں اور سن رسیدہ مرد انجام دیتے تھے

یہ مجرمانہ پیشہ کسی خاص افراد کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ کم و بیش ہزاروں افراد اس پیشہ کو اختیار کئے ہوئے تھے اور ملک کے کونہ کونہ سے نئے نئے ماہر

---

[۱] ریکارڈ منتخبہ گورنمنٹ صوبہ متحدہ مرتبہ مسٹر آر منٹگمری ۲ ۵ ای۔ آئی۔ اے ہینڈ کیو پوحصہ ۷ صفحہ ۱۰۸ نوٹ ۶ ۱۲ ستمبر ۱۸۹۶ء کی مختصر ریکارڈ جرائم ۱۸۶۷ء حصہ ۷ صفحہ ۳۱ تا ۱۳۶

پیدا ہوتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۰۵ء میں آگرہ کے کہاروں نے گروہ سے قتل اور ٹھگی کا پیشہ اختیار کیا۔ اس گروہ میں عادی اور اتفاقی سب ہی طرح کے مجرم ہوتے تھے۔ اور کھانا پکانا جانتے تھے۔ اور سڑکوں کے کنارے سونا ان کا شیوہ تھا جس سے ان کو اپنے منصوبوں کی کامیابی میں کافی امداد ملتی تھی۔

ان کی چھوٹی بڑی پارٹیاں ہوتی تھیں جو ایک دوسرے سے علیحدہ گشت لگاتی تھیں۔ ان کے گشت میں باہم مڈبھیڑ نہیں ہوتی تھی۔ وہ گرفتار بھی کر لیے جاتے تھے۔ مگر زیادہ اتفاقی مجرم کی حیثیت سے جس سے ان کو اجتماعی شکل میں کوئی نقصان نہ ہوتا تھا اور نہ لمبی سزا ملتی تھی اکثر قتلوں کے مہموں کے دوران میں ان کے دو یا دو سے زیادہ گروہ مل جاتے تھے۔ اس گروہ کے ہر ممبر کو اس کی حیثیت کے مطابق مال (ٹھگی) غنیمت میں سے اس کو حصہ ملتا تھا یعنی جو شخص قتل میں زیادہ شغف دکھاتا تھا اتنا ہی وہ زیادہ حصہ کا حق دار ہوتا تھا۔

۱۸۲۹ء تک یہ جرائم بیباکانہ طور پر جاری تھے اور ان کی انسداد کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ دی تھی۔ لیکن کرنل سلیمن نربدا ساگر کے علاقہ میں مامور ہوئے اور ۱۸۰۵ء میں جبل پور کی سڑک پر ۱۷ خزانہ بردار اور ۱۸۱۴ء میں ضلع دموہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہٹہ کو جانے والی سڑک پر سنجا گاؤں سے آدھ میل پر ایک نالہ کے پاس سات آدمیوں کے قتل ہو چکے تو ان سے اور دیگر قتلوں سے متاثر ہو کر انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ان تمام جرائم کی رپورٹ بھیجی جس کے بعد ۱۸۲۹ء میں مسٹر الف، سی، سمتھ نربدا ساگر کے علاقہ پر اختیارات خصوصی کے ساتھ ایجنٹ گورنر جنرل مقرر کر کے بھیجے گئے۔ آپ کے اسسٹنٹ کے

لئے کرنل سلیمن کا تقرر ہوا جو ۱۸۳۵ء میں سپرنٹنڈنٹ محکمہ انسداد ٹھگی اور ۱۸۳۸ء میں کمشنر ٹھگی اور ڈاکہ کے عہدے پر فائز ہوئے۔

انسداد ٹھگی

یہ دور ٹھگوں کے جرموں کی تحقیقات کا کہلاتا ہے جس میں ٹھگوں کے گروپ کے ممبر اور ممبران کے رشتہ دار اور دوستوں کے ذریعہ حالات معلوم کر کے ان کو قلع قمع کرنے کی کوشش کی گئی اور اس شیطنیت کا خاتمہ کرنے کے لئے مخصوص قوانین ۱۸۳۸ء کا ایکٹ ۳۰۔ ۱۸۳۶ء کا ایکٹ ۱۸، ۱۹۔ ۱۸۳۹ء کا ایکٹ ۱۸۔ ۱۸۴۳ء کا ایکٹ ۱۸، ۲۴، ۲۔ ۱۸۴۴ء کا ایکٹ ۱۴۔ ۱۸۴۷ء کا ایکٹ ۱۰۔ ۱۸۴۸ء کا ایکٹ ۳، ۱۱ نافذ کیا گیا۔ اور حیدرآباد۔ میسور۔ اندور۔ لکھنو۔ گوالیار میں ان کے مقدمات کی شنوائی کے لئے علیحدہ علیحدہ عدالتیں قائم ہوئیں۔ جہاں یہ اجازت تھی کہ کوئی بھی شہادت دستاویزی ہو یا زبانی قلمبند کی جائے خواہ وہ کتنی ہی حیثیت کی کیوں نہ ہو۔

ان عدالتی پنچوں کے صدر اور سپردکار ہوشیار انگریز ہوتے تھے جو اعزازی طور پر کام کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۸۲۶ء اور ۱۸۳۵ء میں ٹھگی کے جرم میں ۱۵۶۲ قیدیوں پر مقدمات چلائے گئے جن میں جس میں ۴۰۴ پھانسی پر چڑھے یا عمر قید کے سزا یافتہ ہوئے۔ کچھ ٹھگوں نے اقبال کیا کہ انہوں نے دو سوسے زائد قتل کئے اور ایک ٹھگ نے بتایا کہ اس نے ۷۱۹ اشخاص کو قتل کیا۔ جو ٹھگ وعدہ معاف تھے اور جن کی جان بخشی کی گئی ان کو جبل پور کی سپیشل جیل میں نظر بند کیا گیا۔ جہاں ان کی معہ خاندان کے نگرانی کی جاتی تھی۔ انہیں

دری حیفۂ قالیس کے کارخانہ میں مشقت کے لئے لگایا گیا تھا۔ یہ کارخانہ ڈن سلیمن اور کپتان چارلس برون نے ۱۸۳۸ء میں بنایا تھا اور اُن ہی کے ہاتھوں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی[1]۔

۱۹۰۴ء میں سپرنٹنڈنٹ ٹھگی اور ڈاکہ کا عہدہ توڑ دیا گیا تھا اس لئے کہ اس وقت ٹھگ بہت کم رہ گئے تھے اور ان کا منظمانہ زور ختم ہو گیا تھا۔

غدر ۱۸۵۷ء

غدر کی ابتدائی وجہ بندوقوں کے وہ کارتوس تھے جن کے بارے میں سپاہیوں کا خیال تھا کہ ان پر سور اور گائے کی چربی لگی ہوئی ہے اور وہ ان کو دانتوں سے کاٹنے پڑتے ہیں چنانچہ کپتان رائٹ نے اپنی رپورٹ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء جو اپنے کمانڈنگ آفیسر میجر باٹن کو بھیجی ہے اس میں لکھتا ہے:-

(یہاں دمدمے (کلکتہ سے تین کوس پر جہاں توپ خانہ رہتا تھا) میں جو انفلیڈ نقل بغرض تعلیم دیا گیا تھا اس سے ہندوستانی سپاہی بہت گھبرا گئے ہیں۔ اور کسی نے یہ افواہ بھی اُڑا دی ہے کہ کارتوسوں میں گائے اور سور کی چربی لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس افواہ کی بنا پر ہر ایک ہندوستانی سپاہی پریشان ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہم جب اپنے گھر جائیں گے تو ہمارے ساتھ کوئی کھائے پئے گا نہیں۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ بھیڑ کی چربی اور موم اس میں لگا ہوا ہے لیکن وہ مطمئن نہ ہوئے۔

یہ افواہ یا واقعہ آگ کی طرح پھیل گیا۔ دمدمے والوں کے ساتھ بہرام پور

---

[1] ریملز اینڈ ریکولیکشن مصنفہ میجر جنرل سلیمن ع ۱۸۹۰ء (ص ۷۷ تا ۹۱)

والی انیسویں پلٹن بھی ہوگئی اور وہ یہاں تک چراغ پا ہوئی کہ رات پریڈ پر جاکر جمع ہوگئی۔ کرنل مچل نے ان کو بتایا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ ان کارتوسوں میں گائے اور سور کی چربی لگی ہوئی ہے۔ سپاہیوں نے گائے کی چربی دکھائی اور بتایا کہ یہ چربی ہے جو گائے اور سور کی ہے۔ اس پر کرنل نے وعدہ کیا کہ اب تم کو کارتوس دانتوں سے کاٹنے نہیں پڑیں گے۔ ہاتھ سے توڑکر بھرے جائیں گے۔ اس یقین دلانے پر حسب دستور پلٹن کام پر لگ گئی۔ معاملہ رفع دفع ہوگیا لیکن ایکا ایکی گورنر جنرل نے انیسویں پلٹن کو بارکپور (کلکتہ) میں بلاکر موقوف کردیا۔ اور اس کے ہتھیار پریڈ پر فوج کے سامنے کھلوالئے۔ یہ پلٹن کا حال دیکھکر ہندوستانی سپاہی بدل گئے اور جو شبہ ان کو ایمان کے خراب ہونے کا تھا وہ پختہ ہوگیا۔

افسر پر ہتھیار چلانے اور سازش کی سزا

چنانچہ بارکپور میں چونتیسویں پلٹن کے ایک سپاہی نے اپنے افسر پر ہتھیار سے وار کیا اور جو سپاہی وہاں موجود تھے انہوں نے اس کی گرفتاری سے اغماض کیا۔ اس پر گورنر جنرل نے سات کمپنیوں اور اس پلٹن کو موقوف کردیا۔ اور ایک سپاہی اور جمعدار کو پھانسی کا حکم دیا اور سترھویں پلٹن کے دو سپاہیوں کو سازش کے جرم میں کالے پانی بھیج دیا۔

کارتوس نہ لینے پر سزا

اس سختی کا نتیجہ بد سے بدتر نکلا۔ چنانچہ ۵ رمئی کو جس وقت قواعد کے لئے کارتوس تقسیم ہوئے تو تیسرے رسالہ کے ۸۵ سواروں نے ان کے لینے سے بالکل انکار کیا۔ جن کو ۹ رمئی کو کورٹ مارشل میں چھ برس سے دس برس تک کی سزا

دی گئی اور میرٹھ جیل بھیج دیا گیا۔ یہ بے عزتی ان کے رشتہ دار اور ساتھی برداشت نہ کرسکے۔ انہوں نے دس مئی یکشنبہ کو شام کے وقت بلوا کر کے لین میں آگ لگا دی اور راہ گیروں کا قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور میرٹھ کے جیل خانہ میں جا کر اپنے ساتھیوں اور دوسرے قیدیوں کو رہا کر کے لے آئے اور شہر میں تمام سرکاری انتظامات کو تہ و بالا کیا۔ یہاں سے فراغت پائی تو دہلی کا راستہ لیا۔ وہاں بھی انگریزوں کو نہ بخشا۔ جہاں کوئی میم اور اس کا بچہ نظر آتا اس کو قتل کرتے۔ اور بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان کرتے۔

بغاوت

غرض یہ بغاوت جب ممالک اودھ میں خوب پھیل گئی اور اس کے شعلے صوبہ بہار اور بدھیلکھنڈ میں بھی جا پہنچے اور مار لوٹنے، ریلیں لٹنے، راستے بند ہونے کے واقعات رونما ہونے لگے تو ۸ رجون کو انگریزی فوجوں نے دہلی پر حملہ کیا۔ اور ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی کے قلعہ میں داخل ہوگئیں۔

ظفر شاہ کی گرفتاری

جب قلعہ دہلی کو چاروں طرف سے انگریزوں نے گھیر لیا تو ہڈسن نے فوجی افسروں پر مشتمل ایک وفد بادشاہ کے پاس بھیجا جس نے زبانی پیام دیا کہ بادشاہ کو اب انگریزوں کا مطیع ہونا چاہئے۔ بادشاہ نے فیصلہ کیا ہڈسن اور اس کے ساتھی اپنی زبان سے وعدہ کریں کہ بادشاہ کو کوئی گزند نہ پہنچائی جائے گی اور اس کی زندگی خطرہ میں نہ ہوگی۔ وہ اپنے آپ کو انگریزی فوج کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہے ہڈسن نے جواب دیا کہ اعلیحضرت اور زینت محل اور زینت محل کے

لڑکے کی جانوں کی حفاظت کی جائے گی اور کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے چنانچہ بادشاہ کے سامنے ہڈسن کھڑا ہوگیا اور بادشاہ سے تلوار مانگی۔ چنانچہ اس وقت ہڈسن کے جلالی الفاظ کا ذکر جان ولیم کے۔ ایف۔ آر۔ ایس مصنف تاریخ غدر دہلی کرتا ہے

ہڈسن نے سلطنت مغلیہ کے ہتھیار لے کر ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں تیموری خاندان کی سلطنت کا خاتمہ کردیا۔

تلوار اور پیش قبض اس نے اپنے اردلی کو دیئے اور یہ اعلان کیا کہ اگر کسی نے شاہی قیدی کو (یعنی بادشاہ وغیرہ) انگریزوں کے قبضہ سے چھڑانے کی کوشش کی تو بوڑھے بادشاہ کو کتے کی طرح گولی ماردی جائے گی۔ (معاذ اللہ)

شہزادوں کا قتل اور لاشوں کا سڑانا

ہڈسن بادشاہ کو سانڈرس (جو دہلی سول افسر تھا) کے حوالے کیا۔ اور خود کشمیری دروازہ کے باہر جنرل کے پاس شہزادوں کو گرفتار کرنے کے لئے حکم لینے گیا۔ ہمایوں کے مقبرہ پر پہنچکر اس نے شہزادوں کی پالکیاں اور دوسرے قیدی باہر نکلوائے۔ شہزادوں کی سواری آگے آگے روانہ ہوئی مقبرہ کے لوگوں نے سڑک پر شہزادوں کو رہا کرانے کی کوشش کی۔ تو ہڈسن نے حکم دیا کہ شہزادوں کو فوراً پالکی سے باہر نکالو۔ ان کو باہر نکالا گیا اور برہنہ کرکے گولی ماردی گئی۔ مجمع پر بھی گولی چلائی گئی۔ اور قیامت برپا ہوگئی مسٹر کے انگریز مورخ اس واقعہ پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے۔

شہزادوں کا قتل کرنا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

شہزادے اور مجمع کسی طرح بھی ان کے قبضہ سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ مجمع تنہا تھا اور کوئی ظاہری وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ شہزادوں کو قتل کرنے کے لئے کیا فوری ضرورت پیش آئی۔ ہڈسن نے جو کہا تھا کہ میں خاندان دہلی کے نچے بچے کو کتے کی موت ماروں گا۔ اور انگریز عورتوں اور بچوں کے خون کا بدلہ لوں گا۔ وہ اس نے حرف بہ حرف پورا کیا۔ شہزادوں کو برہنہ کرنا اور قتل کرنا ایک ایسا فعل تھا جسے میں اور کوئی انگریز ایک شریف آدمی کا فعل نہیں کہہ سکتے ان کے علاوہ اور بیسیوں بے گناہ مارے گئے۔ جن کے متعلق کوئی ثبوت نہ تھا کہ واقعی انہوں نے بغاوت کی ہے نہ شہزادوں کا الزام بغاوت قانونی طور پر مسلم ہوا۔ اس لئے ہڈسن کی یہ حرکت واقعی قابل گرفت ہے۔ اس زمانے میں جس قدر سخت "غلطیاں" کی گئی ہیں ان سے بیسیوں بے گناہ مارے گئے۔ یہ ایک معمولی بات نہیں ہے۔ اگست کی آخری تاریخ کو ہڈسن لکھتا ہے کہ "اگر میں محل میں پہنچ جاؤں تو خاندان تیموریہ کو پانچ منٹ میں ختم کر دوں" چنانچہ ۲۲ ستمبر کو وہ لکھتا ہے مجھے خوشی ہے کہ میں نے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر خاندان شاہی کے ممتاز لوگوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اب میرا مقصد پورا ہوا میں ظالم نہیں ہوں لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں نے ان ظالم بدمعاشوں کو اپنے پاؤں سے روندا۔ اس نے یہ بھی کہا اگر مجھے خوف نہ ہوتا

توبادشاہ کو بھی زندہ گرفتار کرنے کے بجائے قتل کر دیتا۔ اور اس کا سر لے کر بازاروں میں گھومتا۔ چنانچہ شہزادوں وغیرہ کی لاشیں چاندنی چوک کی کوتوالی کے سامنے لاکر پھینک دیں اور لوگوں کو دیکھنے کے لئے ان کو کھلا چھوڑ دیا جب وہ سڑنے لگیں اور صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہوا تو دفنا دی گئیں۔

قانونِ فوجداری کا نفاذ

سنہ ۱۸۶۰ء میں لارڈ میکالے کا تیار شدہ ضابطہ تعزیرات ہند سنہ ۱۸۶۱ء میں منظور ہو کر قانون بن گیا جس میں سزائیں چھ قسم کی مقرر کی گئیں۔ اس کے علاوہ دوسرے طریقوں کو خلاف قانون قرار دیا گیا چنانچہ چھ طریقۂ سزا یہ ہیں۔

(۱) سزائے موت (۲) حبس بعبور دریائے شور (۳) بامشقت قید (۴) محض قید (۵) ضبطی جائداد (۶) جرمانہ اس کے علاوہ بعض قیدیوں کو سزائے تازیانہ بھی مقرر کی۔ ان سزاؤں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بغاوت کی سزا

جو شخص حکومتِ ہند کے مقابلہ میں جنگ کرے یا ایسی جنگ کرنے کا اقدام کرے یا اس میں اعانت کا مرتکب ہو اس کو موت یا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی جائے گی اور اس کی کل جائداد بھی ضبط ہو سکتی ہے۔

اسی طرح جو شخص حکومت کے مقابلہ میں جنگ کرنے کی نیت سے ہتھیار فراہم کرے تو اس کو حبس دوام بعبور دریائے شور یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس سے زیادہ نہ ہوگی۔

جنگ کرنے کی تدبیر بنانے والے، نیز سرکاری ملازم کی حراست سے
اسیر سلطانی یا اسیر جنگ کے فرار ہونے پر۔ یا کسی سپاہی یا خلاصی جہاز کو خدمت
منصبی نہ کرنے دینے پر موخر الذکر سزا دی جائے گی۔ مزید جرمانہ بھی ہو سکتا ہے
فراری سرکاری نوکر کو پناہ دینے کی سزا دو برس اور عدول حکمی میں کسی سپاہی
یا خلاصی جہاز کی اعانت کی سزا چھ مہینے تک دی جا سکتی ہے۔

قتل کی سزا

جو شخص قتل عمد کا مرتکب ہو اس کو سزائے موت یا حبس
دوام بعبور دریائے شور، اور جو قتل قتل عمد کی حد کو نہ
پہنچتا ہو تو اس کے قاتل کو صرف حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی
جائے گی جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جو شخص نابالغ
لڑکے یا مجنوں کے قتل میں یا خودکشی کرنے میں اعانت کرے اس کو سزائے موت
یا حبس دوام بعبور دریائے شور یا ایسی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد
دس برس سے زائد نہ ہو گی۔

ٹھگی کی سزا

جو شخص لوگوں سے اس غرض سے دوستی رکھے گا
کہ وہ ان کو قتل کرے یا جبراً چوری کرے اور
بچوں کو چرائے اس کو ٹھگ سمجھا جائے گا اور اس کی سزا بعبور دریائے شور ہو گی

اسقاطِ حمل کی سزا

جو شخص بالارادہ کسی عورت کے اسقاطِ
حمل کا باعث ہوا ور بدنیتی سے حمل گرایا
گیا ہوا ور بچہ میں جان پڑ چکی ہو تو اس کی سزا سات برس تک ہو سکتی ہے
اگر بچہ میں جان نہ پڑی ہو اور تب حمل ساقط کیا ہو اس کی سزا تین برس سے

نرآمدنہ ہوگی۔

عورت کی بلارضامندی اسقاط حمل اُس بچے کے مرنے پر جس میں جان پڑ گئی ہو حبس بعبور دریائے شور کی سزا دی جائے گی یا دونوں قسموں میں ایک سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس تک ہوسکتی ہے اور بلارضامندی عورت کے اسقاط حمل کرنے میں عورت کی جان چلی جائے تو اس کی سزا حبس دوام بعبور دریائے شور ہے۔

اعضائے جسمانی معدوم کرنیکی سزا

اگر کوئی شخص کسی مرد کو مخنث کردے یا آنکھ نکالدے یا کان کاٹ لے یا کسی اور عضو جسمانی کو معدوم کردے یا کسی ہڈی یا دانت توڑ ڈالے تو اس کو ضرب شدید شمار کیا جائیگا۔ بالارادہ ضرب شدید پہنچانے والے کو سات سال تک اور بغیر ارادہ کے ضرب شدید پہنچانیوالے کی سزا جس کا اشتغال کی حالت میں ارتکاب ہوا ہو چار برس تک مل سکتی ہے ضرر پہنچانے کے لئے بیہوش کرنے والی دوا کے کھلانے پر دس سال تک جیل خانہ میں رکھا جاسکتا ہے[۱]

امریکہ میں قانوناً نامرد کیا جانا

ملکی ذہنیتوں کا تضاد ملاحظہ ہو۔ ۱۹۳۵ء تک امریکہ میں مخنث کرنیکی قانوناً اجازت تھی چنانچہ جو شخص یہ خواہش رکھتا تھا کہ اس کو قوت مردمی کے اعتبار سے ناکارہ کردیا جائے تو اس کو ناکارہ کردیا جاتا تھا متحدہ ریاستہائے امریکہ کے جیل خانہ "سان کوئنٹن" کی رپورٹ سے

خلاف وضع فطری کی سزا

جو شخص کسی مرد یا عورت یا حیوان[۱] بالارادہ وطی خلاف وضع فطری کرے اس شخص کو حبس دوام بعبور دریا شور یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی سزا دی جا سکتی ہے۔ جس کی میعاد دس سال تک ہو سکتی ہے۔ مزید جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۳۳ء میں بیس قیدیوں کو ان کی خواہش کے مطابق نامرد کیا گیا ۱۹۳۴ء میں اکتیس قیدیوں کو اور ۱۹۳۵ء میں یکم مئی تک تینتیس قیدی نامرد کئے گئے۔

اپریشن کا طریقہ: خصیوں کو شگاف دے کر نکالا جاتا تھا۔ یہ طریقہ ریاست کلی فورنیہ کے ایکٹ ۵۳۹ ۱۹۱۳ء کی رو سے جائز ہے اس کے مطابق اگر ڈاکٹر کے خیال میں کسی قیدی کو اس کی جنسیت سے محروم کر دینا جسمانی، دماغی، اخلاقی حالت کے لئے مفید ہوتا تو اسے جنسی اعتبار سے ناکارہ کیا جا سکتا تھا۔

تاریخ بدفعلی حیوانات

رومن[۵] ایمپائر کے آخری دور انحطاط میں حیوانوں سے بدفعلی بہت عام ہو گئی تھی اور اسے معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ جو لوگ جانوروں کے ساتھ بدفعلی کو پسند کرتے تھے وہ اپنے پسند کے جانوروں کے نام کے ساتھ اپنے آپ کو منسوب کرنا فخر سمجھتے تھے مثلاً جو شخص بطخوں کے شائق ہوتے تھے وہ انساری (بطخی) اور جو لوگ بکریوں سے شوق رکھتے تھے وہ اپنے آپ کو کیپراری

(بکروی) اور کتوں اور بندریوں کے دلدادہ ملواری کہواتے تھے۔
قدیم روم کے مندر میں دیوی بوناڈیا کے مراسم میں گدھے کی بدفعلی شامل تھی۔ ابتدائی دورِ مسیحیت کے بعض ملحد فرقوں میں حیوانات کے ساتھ بدفعلی اور اغلام کو اچھا سمجھا جاتا تھا۔

جانوروں کی بدفعلی کے خلاف کلیسہ انگلستان نے سخت آواز بلند کی اور سخت قانون بنائے۔ پارلیمنٹری ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرم کو اس جانور کے ساتھ جس سے وہ بدفعلی کرتا تھا زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ روم کی عدالتوں میں اس جرم پر صرف جرمانہ ہوتا تھا۔ فرانس میں سزائے موت دی جاتی تھی۔ سترھویں صدی کے ایک فرانسیسی ماہر قانون کلاڈ لبرون ڈیلارانشہ نے اس بات پر زور دیا تھا کہ مجرم انسان کے ساتھ اس جانور کو بھی سزائے موت دی جائے جس کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر جانور کو ہلاک نہ کیا گیا تو اس کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں فعل بد کی یاد تازہ ہو جائے گی اور بُرے خیالات کی اشاعت ہوگی۔ چنانچہ بعد میں فرانس کے شاہی کورٹ نے کلاڈ لبرون کا نظریہ تسلیم کر لیا تھا۔

۲۶ مئی ۱۵۴۶ء میں ایک شخص جی بوٹ وائلڈ کو اس الزام میں پھانسی دے کر اس کی لاش جلائی گئی کہ اس نے گائے کے ساتھ بدفعلی کی تھی گائے کو بھی اس شخص کی لاش کو جلانے سے پہلے جلا دیا گیا تھا۔
۱۴۶۵ء میں ایک شخص گلٹ مولاٹے کو ایک سورنی کے ساتھ بدفعلی کرنے کے جرم میں زندہ جلا دیا گیا۔

انسان کے اغوا کرنے اور غلام بنانے کی سزا

جو شخص کسی انسان کو برطانیہ ہند میں سے یا کسی ولی کی ولایت سے بھگا کے لے جائے اس شخص کو سات سال تک اور جو قتل عمد کے لئے کسی انسان کو بھگا لے جائے اس کو دس برس تک سزا دی جا سکتی ہے۔

جو شخص کسی انسان کو غیر ملک سے غلام کے طور پر لائے یا غیر ملک میں لے جائے یا دوسری جگہ پہنچائے یا خریدے یا بیچے اس شخص کی مرضی کے خلاف غلام کے طور پر قبول کرے یا تحویل میں لے تو وہ سات سال تک کی سزا کا مستحق ہو سکتا ہے۔ مزید جرمانہ بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔ عادی غلاموں کی تجارت کرنے والوں کو اور کسی نابالغ کو فعل شنیع کی غرض سے بیچنے یا بیچنے پر دینے والوں کو دس سال تک سزا مل سکتی ہے۔

زنا بالجبر کی سزا

جو مرد عورت کی مرضی کے خلاف یا عورت کی بلا رضامندی یا عورت کے ساتھ جبکہ اس کی رضامندی ڈرا کر یا ضرر کی تخویف دے کر حاصل کی گئی ہو یا عورت کی رضامندی کے ساتھ جبکہ

---

۵ جنوری ۱۸۶۶ء میں ایک شخص جین ڈیبلا مسوتیلے کو گدھی کے ساتھ صحبت کرنے کے الزام میں زندہ جلا دیا گیا اور اس کی تیار گدھی کو ذبح کر کے ڈال دیا گیا۔

طولون میں اسی سال ایک عورت کو کتے کے ساتھ برا کام کرنے کے سلسلہ میں زندہ جلا دیا گیا (انسائیکلوپیڈیا صفحات ۲۴۳، ۲۴۴)

مرد یہ جانتا ہو کہ وہ اس عورت کا شوہر نہیں ہے اور عورت اس کو اپنا شوہر سمجھتی ہے یا عورت کی رضامندی کے ساتھ جب کہ اس کی عمر دس برس سے کم ہو جماع کرے گا تو اس کو زنا بالجبر سمجھا جائے گا۔ البتہ مرد کا جماع اپنی بیوی سے جبکہ اس کی عمر دس سال سے کم نہ ہو زنا بالجبر نہیں کہلایا جائے گا۔ زنا بالجبر کی سزا حبس بعبور دریائے شور ہو سکتی ہے جس کی میعاد دس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔

چوری کی سزا

جو شخص بدنیتی سے کوئی مال منقولہ کسی شخص کے قبضہ سے اس کی بلا رضامندی کے لے لے تو اس شخص کو چور سمجھا جائے گا۔ اور اس کے اس فعل کو سرقہ کہا جائے گا۔ ایسے شخص کی سزا تین سال تک ہو سکتی ہے۔

کسی عمارت میں آگ لگا کر سرقہ کرنے اور آقا کے قبضہ میں سے نوکر کے مال لے جانے یا لے جانے کے اقدام میں سات سال تک اور سرقہ کے ارتکاب کی کی غرض سے ہلاک کرنے یا ضرب شدید پہنچانے کی تیاری کرنے کے بعد سرقہ کرنے کی دس سال تک سزا ہو سکتی ہے۔

جو شخص سرقہ کے ارتکاب کے لئے یا سرقہ کے ارتکاب میں یا اس مال کے لے جانے یا لے جانے کے اقدام میں جو سرقہ سے حاصل کیا گیا ہے۔ بالارادہ کسی شخص کی ہلاکت یا ضرر یا مزاحمت بے جا کا باعث ہو یا اس کے باعث ہونے کا اقدام کرے یا فوراً ہلاک ہونے یا فوراً ضرر یا فوراً مزاحمت بے جا اٹھانے کی تخویف کا باعث ہو یا اس کے باعث ہونے کا اقدام کرے تو وہ سرقہ بالجبر کا مجرم ہوگا۔ جس کی سزا دس برس تک دی جا سکتی ہے۔ اگر سرقہ بالجبر کا ارتکاب

شارع عام پر غروب وطلوع آفتاب کے درمیان کیا جائے گا تو قید کی میعاد چودہ برس تک ہوسکتی ہے۔

ڈکیتی کی سزا

جب پانچ یا زیادہ اشخاص شامل ہوکر سرقہ بالجبر کا ارتکاب یا اقدام کریں۔ یا جب کہ ان اشخاص کی کل تعداد جو سرقہ بالجبر کا ارتکاب یا اقدام شامل ہوکر کرتے ہوں معہ تعداد ان اشخاص کی جو حاضر ہوں اور اس کے ارتکاب یا اقدام میں مدد کرتے ہوں یا پانچ سے زیادہ ہوں تو ہر ایک شخص ارتکاب کرنے والا یا اقدام کرنے والا یا اس میں مدد کرنے والا ڈکیتی کا مرتکب ہوگا۔ جس کو حبس بعبور دریائے شور یا قید سخت کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس تک ہوسکتی ہے۔ قتل عمد کے ساتھ ڈکیتی کی سزا موت یا حبس دوام بعبور دریائے شور یا قید سخت کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس تک ہوسکتی ہے۔

جعل سازی کی سزا

جو شخص کوئی جھوٹی دستاویز یا اس کا کوئی حصہ اس نیت سے بنائے کہ عام لوگوں کو یا کسی شخص کو مضرت یا نقصان پہنچائے یا کسی دعوے یا استحقاق کی تائید کرے یا کسی شخص سے کوئی مال علیحدہ کرائے یا کسی معاہدہ لفظی یا معنوی کرانے کا باعث ہو یا اس نیت سے کہ فریب کا ارتکاب کرے یا فریب کا ارتکاب کیا جاسکے تو وہ جعلسازی کا مرتکب ہوگا اس کی سزا دو سال تک ہوسکتی ہے۔ کورٹ آف جسٹس کے کاغذ سررشتہ یا ولادت کے عام رجسٹر وغیرہ کو جعلی بنانے کی سزا سات سال تک ہے۔

دوسرے کی عورت سے جماع کرنے پر سزا

جو شخص کسی ایسی عورت سے جو کسی دوسرے مرد کی بیوی ہے یا جس کو وہ جانتا یا باور کرنے کی وجہ رکھتا ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد کی بیوی ہے۔ اس مرد کی بلا رضامندی یا سازش کے جماع کرے تو وہ زنا بالجبر نہیں ہوتا لیکن وہ شخص زنا کے جرم کا مرتکب ہوگا جس کی سزا پانچ سال تک ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں بیوی معین کے طور پر سزا کی مستحق نہ ہوگی۔
جس عورت کا شوہر زندہ ہو وہ اس کی زندگی میں دوسری شادی کرلے تو جرم ہے۔ اس کی سزا سات سال تک ہے۔[۱]

توہین کرنے کی سزا

جو شخص کسی کی توہین کرے گا یا دل دکھائے گا یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کی اس سے توہین ہوگی یا نقص امن ہوگا اور وہ بدنام ہوگا تو وہ شخص توہین کرنے کا مجرم ہے جس کی سزا دو سال

عصمت کی قفل پٹی

فرانس کے عہد قدیم کی یہ رسم چلی آتی تھی کہ جو عورت مشتبہ چال چلن کی ہوتی تھی اس کی شرمگاہ ایک پیٹی سے مقفل کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۳۲ء میں ایک فرانسیسی شوہر نیرسٹ نے جو ٹکسال میں ملازم تھا اپنی بیوی کے چال چلن سے مشتبہ ہو کر اس کی کمر پر وہ پیٹی باندھ دی۔ بیوی نے پولیس میں اطلاع دی۔ شوہر بیوی پر ظلم کرنے کے الزام میں ماخوذ ہوا۔ اسے تین ماہ قید بامشقت کی سزا ملی۔ اپیل کرنے پر ایک ہفتہ کی سزا بحال رہی
(انسائیکلوپیڈیا جنسیات ۲۰۹)

تک سزا دی جا سکتی ہے

حبس بیجا کی سزا اگر کوئی شخص کسی شخص کی اس طرح سے مزاحمت بے جا کرے کہ اس شخص کو کسی حدود محیط کے باہر جانے سے روکے تو اس کو حبس بے جا کہا جائے گا۔ حبس کی سزا ایک سال یا پانچ سو روپیہ جرمانہ تک ہوسکتی ہے۔ تین یا تین دن سے زیادہ دن تک حبس بے جا میں رکھنے پر دو برس کی اور دس یا دس دن سے زیادہ دن تک حبس بے جا میں رکھنے پر تین برس تک کی سزا دی جا سکتی ہے۔

جھوٹی گواہی کی سزا جو شخص عدالت کی کارروائی کی کسی حالت میں قصداً جھوٹی گواہی دے یا اس غرض سے جھوٹی گواہی بنائی جائے کہ وہ عدالت کی کسی کارروائی کو کسی حالت میں کام میں لائے تو اس کو دونوں قسموں میں سے ایک قسم کی سزا دی جا سکتی ہے جس کی میعاد سات سال تک ہوسکتی ہے۔

سزائے موت کے مقدمہ میں ملزم کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کی سزا حبس دوام بعبور دریائے شور دی جا سکتی ہے۔ جس کی میعاد دس برس تک ہے اگر اس کی شہادت سے کوئی شخص سزائے موت پا جائے اور اس کی شہادت غلط ثابت ہو جائے تو ایسا شخص سزائے موت کا مستحق ہے۔

سکہ اور اسٹامپ بنانیکی سزا جو شخص حکومت ہند کے سکہ کو بنائے یا فروخت کرے یا اسکو خریدے۔ اس کی سزا کی میعاد سات سال ہے اور جو شخص اس کے بنانے کے

اور ارکھتا ہے تو وہ دس سال کی سزا کا مستحق ہے۔ اسی طرح جو شخص گورنمنٹ کے جعلی اسٹامپ بنانے کا سامان رکھے گا۔ اس کی سزا سات سال ہے اور جو بنا کر بیچے گا اس کی سزا حبس دوام بعبور دریائے شور یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی سزا دی جائے گی۔ جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے۔

مذہبی دل آزاری کی سزا

کوئی شخص کسی عبادت گاہ یا کسی شے کو جو لوگوں کے کسی فرقہ کے نزدیک متبرک ہو خراب کرے یا مضرت پہنچائے یا نجس کرے یا کسی فرقے کے مذہب کی توہین کرے تو اس کو دو سال تک کی سزا دی جا سکتی ہے۔ قبرستان وغیرہ میں مداخلتِ بے جا کرنے، لاش کی تذلیل کرنے پر ایک سال کی سزا ہے اور جرمانہ بھی ہو سکتا ہے۔

قماربازی کی سزا

۱۸۶۷ء میں قماربازی ایکٹ کا نفاذ ہوا جس میں پولیس کو اختیار دیا گیا۔

(۱) جو روپیہ یا قیمتی شے پر لگا کر تاش یا پاسہ یا کوسٹر یا دیگر آلات قمار بازی میں مستعمل ہوتے ہوں جو شخص ہتر جوری کی بازی نہ ہو کسی عام سڑک یا مقام یا گذرگاہ عام پر پرندوں یا جانوروں کو لڑاتا ہوا پایا جائے یا وہاں موجود ہ کر پرندوں یا جانوروں کی لڑائی میں علانیہ مدد اور اعانت کرتا ہوا پایا جائے۔ اُس کو ہر اہلکار پولیس بلا وارنٹ گرفتار کر سکتا ہے۔ اس کی سزا قید اور جرمانہ دونوں ہیں۔ اگر کوئی شخص اس جرم میں دوبارہ گرفتار ہوگا تو اُس کی سزا چھ ماہ اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ، تیسری مرتبہ پر سزائے قید ایک سال

اور ہزار روپیہ جرمانہ۔ چوتھی مرتبہ بھی جرم کرے گا تو دو سال کی سزا کا مستحق ہوگا۔

بلا لائسنس کے شراب بنانے پر سزا

جو شخص اشیائے مسکرہ چرس، بھنگ، گانجا، کوکین، تاڑی، شراب کو بلا لائسنس درآمد یا برآمد کرے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے یا تیار کرے یا جمع کرے یا قبضہ میں رکھے یا کسی بھٹی یا بوزہ خانہ کی تعمیر کرے یا اس کو استعمال کرے۔ اس کو دو سال تک کی سزائے قید یا دو ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص شراب کو بلا لائسنس بغرض فروخت بوتلوں میں بند کرے یا کسی تاڑی کے درخت میں شگاف دے اور تاڑی حاصل کرے اس کو ایک سال تک کی قید یا دو ہزار روپے تک جرمانہ کی سزا دی جا سکتی ہے یا دونوں سزائیں مل سکتی ہیں۔ شراب پینا جرم نہیں ہے بشرطیکہ پی کر عام راستوں میں بہکا نہ جائے اور نہ بکواس کی جائے۔

عورتوں کی تجارت کرنے پر سزا

قحبہ خانے کھولنے یا کسی مقام پر بدچلنی کے لئے عورتوں کی خرید و فروخت کرنے پر دو سال کی سزا یا مشقت اور ہزار روپیہ جرمانہ ہے بدچلنی سے روپیہ پیدا کرنے والے اور دوسرے آدمی کی بدچلنی کی کمائی پر گذارہ کرنے والوں کو تین سال اور دو ہزار روپیہ جرمانہ تک کی سزا دی جا سکتی ہے

کوڑوں کی سزا

دوسرے آدمی کی بدچلنی کی کمائی پر گذارہ کرنے والا اگر مرد ہے تو اس کو سزائے قید اور جرمانہ کے

ساتھ ساتھ کوڑوں کی بھی سزا دی جا سکتی ہے ۔

خلائق عامہ کو تکلیف دینے پر سزا

پولیس ایکٹ نمبر ۵ میں خاص عہدے داران اور معمولی عہدیداروں کے اختیارات، محکمہ پولیس کی غرض و غایت، ملازمت چھوڑنے کے طریقے اور سپاہیوں کے فرائض ان کے موقوف ہونے کی وجوہات و سزائیں اور تھانہ کی ڈیوٹیاں انجام دینے کی تفصیل ہے ۔ اس ایکٹ میں خاص طور پر دفعہ ۳۴ ۔ خلائق عامہ کو آرام پہنچانے سے متعلق ہے ۔ چنانچہ ہر عہدیدار پولیس کو اختیار ہے کہ ہر ایسے شخص کو بلا وارنٹ کے گرفتار کرے ۔ جو کسی شارع عام، کوچہ یا کھلے مقام میں مندرجہ ذیل جرائم میں سے کسی ایک کا روبرو عہدیدار پولیس کے مرتکب ہو کر خلائق عامہ کی تکلیف یا خطرے کا باعث ہو ۔

(۱) سوار ہو کر کسی جانور کو بے پروائی سے یا بہت تیزی سے دوڑانا یا گھوڑے یا اور جانوروں کو سدھانا یا نکالنا یا کسی جانور کو ذبح کرنا مردہ جانور کی لاش کو صاف کرنا ۔

(۲) کسی جانور کو ناحق بے رحمی سے مارنا یا اسکے ساتھ بدسلوکی کرنا یا تنگ کرنا ۔

(۳) کسی جانور یا گاڑی کو اس سے زیادہ دیر تک ٹھہرا رکھنا جو سواری یا مال اُتارنے چڑھانے کے لئے ضروری ہو ۔ یا گاڑی اس طرح چھوڑنا جو عامۂ خلائق کے خطرہ کا باعث ہو ۔

(۴) فروخت کے لئے کسی مال کا باہر کھلوا کر رکھنا ۔

(۵) کوڑا کرکٹ یا میلا یا مکان کی تعمیر وغیرہ کا مصالحہ یا پتھر پھینکنا یا ڈالنا

(۶) قصداً بے حیائی سے اپنا بدن کھولنا یا مکروہ جسم کو دکھانا (کوڑھی وغیرہ) یا کسی تالاب یا حوض میں پیشاب کرنا یا پاخانہ پھرنا یا نہانا یا کچھ دھونا جو ان کاموں کے لئے مخصوص نہ ہو۔

(۷) متوالا یا نشہ کی حالت میں غل غپاڑہ کرتے ہوئے پایا جانا۔ اپنی حفاظت کے قابل نہ رہنا۔

(۸) کسی تالاب یا چاہ یا خطرناک مقام کے گرد جنگلات نہ لگانا یا اس کی واجبی حفاظت کرنے میں غفلت کرنا۔

تو ایسے شخص کو مجرم ثابت ہونے پر پچاس روپیہ تک جرمانہ یا آٹھ روز تک قید یا مشقت کی سزا دی جا سکتی ہے۔

جانوروں کے شکار پر پابندی کوئی شخص بغیر لائسنس کے حاصل کئے شکار نہیں کھیل سکتا۔ خواہ شکار بندوق سے کھیلتا ہو۔ یا جال سے۔ یا باز سے۔ یا شکرے سے۔ یا کتوں سے نیز کوئی شخص کسی جنگلی پرندے یا جانور کو نہ مار سکتا ہے نہ پکڑ سکتا ہے۔ نہ قبضہ میں رکھ سکتا ہے۔ نہ اس کی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔ سوائے گوشوارہ کے تاریخ مقررہ کے۔

سوائے ۵۴ قسم کے جاندار جانوروں کو جن کا گوشوارہ ایک میں ذکر ہے۔ دوسرے گوشوارہ کے ۳۲ قسم کے جانوروں کو بلا لائسنس مقررہ میعاد میں مارا، پکڑا، یا خرید و فروخت کیا جا سکتا ہے۔ تیسرے گوشوارہ کے ۸۰ جانوروں کو دوسرے گوشوارہ کے جانوروں کی طرح گولی سے نہیں

مارا جاسکتا ہے۔ چھٹے گوشوارہ سے پانچ جانور پالتو جانوروں اور پرندوں کی
حیثیت سے مقررہ طریقے پر اور مقررہ مدت تک سال میں قبضے کے اندر رکھا جاسکتا ہو
پہلے گوشوارہ میں طوطا، لہری طوطا، شیر، راج ہنس، جنگلی بلی، سور، بندر،
چوہا، گلہری، نیل گاؤ، بھیڑیا، نیولا، جنگلی کتا، چمگادڑ وغیرہ طیور و جانور ہیں۔
گوشوارہ دوم میں سفید بگلا، لال سرخاب، نیل سر، مرغابی، لال سر،
چیتوا، پہاڑی، کرپاؤ وغیرہ طیور ہیں۔
گوشوارہ سوم میں کبوتر، فاختہ، مور، جنگلی مرغی، تیتر، ہکور، لاوا،
مونال، آبی، نقرئی، جھوٹا کونج، رنگیلا چاہا، جل ککڑی وغیرہ طیور ہیں۔
گوشوارہ چہارم میں شیر، ہاتھی، اونٹ وغیرہ ہیں۔
چھوٹے شکار کے لائسنس کی فیس پانچ روپیہ اور بڑے شکار
کے لائسنس کی فیس آٹھ روپے سالانہ ہے۔ جس کا زمانہ ۱۵ ستمبر سے
یکم اپریل تک ہوگا۔

بلا لائسنس کے شکار کی سزا

خلاف ورزی کی صورت میں پہلی مرتبہ پچاس روپے تک
جرمانہ ہوگا۔ عدم ادائیگی جرمانہ کی شکل میں ایک ماہ تک کی سزا دی جاسکتی ہے
دوسری مرتبہ جرم کے ارتکاب میں پانچ سو روپیہ جرمانہ اور عدم ادائیگی کی
صورت میں تین ماہ تک کی قید ہوسکتی ہے۔ اسکے علاوہ لائسنس ضبط بھی کرلیا جائیگا

قوانین برطانیہ کا نقص

انگریزی انصاف و عدل کے بارے میں
اکثر لوگوں کو یہی شکایت ہے کہ انصاف

بہت مہنگا اور تکلیف کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ذیل میں اس قسم کی وہ مثالیں دی جاتی ہیں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ عدالتوں میں جاکر کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے کس قدر روپیہ اور وقت برباد کرنا پڑتا ہے اور کتنی پریشانیوں کے بعد انصاف حاصل ہوتا ہے۔

مہنگے انصاف کی مثالیں

ایک شخص سکنہ چاہ میراں لاہور فوت ہوگیا۔ ریلوے کے ذمہ اس کا ۲۱۰ روپیہ واجب تھا۔ اس کے نابالغ بچوں نے اپنی ماں کے ذریعہ سرٹیفکیٹ جانشینی کے لئے عدالت میں درخواست دی تاکہ ریلوے سے روپیہ وصول کیا جاسکے۔ یہ درخواست ۱۶ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو صاحب سینیئر سب جج لاہور کی عدالت میں پیش کی گئی جہاں سے وہ ایک سب جج درجہ دوم کی عدالت میں سپرد ہوئی۔ پہلی تاریخ ۷ر جنوری ۱۹۳۲ء پڑی اور اس روز سے لے کر ۷ر دسمبر ۱۹۳۲ء تک پورے گیارہ مہینوں میں قریبًا بارہ پیشیاں سائلہ کو صرف اس واسطے بھگتنی پڑیں کہ متوفی کے رشتہ دار سمن لینے سے گریز کرتے تھے اور ان کی تعمیل ضابطہ کے مطابق نہ ہوتی تھی۔ آخر عدالت کو حکم دینا پڑا کہ انکی تعمیل بذریعہ منادی کرادی جائے۔ ۷ر ستمبر ۱۹۳۲ء سے یکم مارچ ۱۹۳۳ء تک چار پیشیوں میں منادی کے متعلقہ ضابطہ کی تکمیل ہوئی۔ اور اتفاق سے ایک شخص منجملہ رشتہ داران فوت ہوگیا۔ اب اس کا وارث نامزد ہونا ضروری تھا کیونکہ اس کے بغیر آگے کارروائی قطعًا نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے ۲۰ر اپریل ۱۹۳۳ء تک چار پیشیاں اس میں صرف ہوگئیں۔ اور ۲۶ر مئی ۱۹۳۳ء

شہادت یک طرفہ کے لئے مقرر ہوئی کہ عدالت بدل گئی۔ اور ۲۵ مئی سے ۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء تک کچھ معلوم نہ ہوا کہ مقدمہ کون کون سے مرحلے طے کرتا رہا۔ آخر ۵ اکتوبر کو نئے جج کے سامنے مقدمہ پیش ہوا اور رشتہ داران متوفی کی مکرر تعمیل پر دو پیشیاں اور صرف کرنی پڑیں۔ آخر کار ۶ دسمبر ۱۹۳۳ء کو شہادت ختم کی گئی۔ اور ۱۳ دسمبر ۱۹۳۳ء کو پورے چھ دن کم دو سال میں سرٹیفکیٹ کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ خرچ کا اندازہ پچاس ساٹھ روپیہ کسی صورت سے کم نہیں تھا۔ گویا ۲۱۰ روپیہ کے سرٹیفکیٹ جانشینی حاصل کرنے میں کیا صرف ہوا۔

وقت	۳ دن کم ۲ سال
روپیہ	پچاس یا ساٹھ

(۲) ایک شریف آدمی کو ایک غنڈے نے سر بازار مارا۔ گالیاں دیں۔ اور بری طرح بے عزت کیا۔ اس شریف آدمی نے اس غنڈے کے برخلاف زیر دفعہ $\frac{۳۲۳}{۵۰۴}$ تعزیرات ہند استغاثہ دائر کیا۔ پہلے روز کے خرچ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

فیس ڈاکٹر برائے معائنہ و سرٹیفکیٹ	۵ روپے
کمپوڈر	۱ روپیہ
فیس وکیل	۱۰ روپے
منشی	۱ روپیہ
کورٹ فیس وکالت نامہ	۱ روپیہ

کورٹ فیس استغاثہ — ۱ روپیہ

بالائی خرچ — ۲- روپے ۸- آنے

میزان ۲۱ روپے ۸- آنے

استغاثہ ایک بنچ آنریری مجسٹریان کے سپرد ہوا اور دوسرے روز مستغیث کا بیان اور دو سرسری گواہوں کی شہادت ہوئی - اس روز کا خرچ حسب ذیل

گواہوں کا خرچ — ۴ روپے

بالائی خرچ — ۱ روپیہ

طلبانہ — ۸ آنے

میزان ۵ روپے ۸- آنے

سرسری شہادت کے بعد ملزم کی حاضری کے لئے وارنٹ جاری ہوئے اور بغرض تعمیل پولیس میں بھیجے گئے۔ تاریخ مقررہ پر ملزم حاضر عدالت ہوا۔ اس کی ضمانت لی گئی - اور شہادت استغاثہ کے واسطے تاریخ دی گئی -
مستغیث نے چار گواہ موقعہ لڑائی کے اور ایک ڈاکٹر طلب کیا جس پر ۱۴ روپے ۴- آنے صرف ہوئے۔ لیکن صرف دو گواہوں کی تعمیل ہوئی تھی اس لئے تاریخ مقررہ پر دو گواہان حاضر آمدہ کے بیان قلمبند نہیں ہو سکے کیونکہ شہادت مکمل موجود نہیں تھی - اس لئے حکم دیا گیا کہ مستغیث آئندہ پیشی پر اپنی شہادت مکمل پیش کرے خود ساتھ لائے یا طلب کرائے - اور موقعہ نہیں دیا جائے گا
جب تاریخ آئی تو مستغیث کی مکمل شہادت موجود تھی جس کے لانے پر

مستغیث کے ۵ روپے ۴-آنے سرکاری طور پر (یعنی خوراک طلبانہ) اور قریباً ۴ روپے تانگہ وغیرہ پرائیوٹ خرچ ہوئے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے آج جج مکمل نہیں تھا اس لئے شہادت واپس کی گئی اور ۱۳ روپے مزید بطور خوراک گواہوں کو دے کر انہیں آئندہ پیشی کے لئے پابند کیا گیا۔

آئندہ پیشی پر شہادت بھی ساری موجود تھی جس کے لانے پر پھر تین روپے خرچ ہوئے تھے اور جج بھی مکمل تھا لیکن ملزم موجود نہیں تھا۔ اور اس نے بیماری کا سرٹیفکیٹ بھیجدیا تھا۔ اس لئے گواہان کو پھر ۱۳ روپے دیکر پابند کیا گیا۔

آئندہ پیشی پر پھر مستغیث کی بدقسمتی سامنے آئی اور ایک مجسٹریٹ صاحب بیمار ہو گئے۔ لہذا بوجہ جج نامکمل ہونے کے شہادت پھر واپس ہوئی اور ان کو پابند کرنے کے واسطے پھر ۱۳ روپے خرچ ہوئے (تانگہ کا خرچ اسکے علاوہ تھا)

الغرض اسی طرح کی دو تین اور پیشیوں کے بعد شہادت استغاثہ تحریر کی گئی۔ ملزم کا بیان لے کر اس پر فرد جرم لگائی گئی اور فرد جرم کے بعد مستغیث کو پھر حکم دیا گیا کہ اپنی شہادت دوبارہ پیش کرے کیونکہ ملزم ان پر مکرر جرح کرنی چاہتا ہے۔

یہ مستغیث کی خوش نصیبی تھی یا حسن اتفاق کہ مکرر جرح پہلی ہی پیشی پر ختم ہو گئی۔ اور ملزم کی صفائی لینے کے بعد عدالت نے اپنا فیصلہ صادر کیا کہ جس میں ملزم کو مجرم قرار دیا گیا تھا۔ اور مبلغ ۱۵ روپے جرمانہ کی سنگین سزا دی گئی تھی۔

اس فیصلہ کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ سزا دراصل کسے ہوئی ملزم کو یا

مستغیث کو جسے اپنے مقدمہ کی پیروی پر پورے ۱۴۳۰۸ روپے صرف کرنے پڑے - اور پھر یہ بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ملزم کو سزا دی گئی ہے - اپیل میں بحال رہتی ہے کی یا نہیں۔

بہرحال مستغیث کی حالت قابل رحم ہے سر بازار مار بھی کھائی گالیاں بھی سنیں - ذلیل بھی ہوا - اور مقدمہ پر ۱۴۳۰۸ روپے بھی صرف کرنے پڑے - اور اسقدر طویل عرصہ تک عدالت میں جو تکلیف و پریشانی اٹھانی پڑی اور گواہوں کی خوشامد اور خاطر داری کرنی پڑی وہ اس کے علاوہ تھی - یہ روزمرہ کے واقعات ہیں جو عدالتوں میں پیش آتے رہتے ہیں[1]۔

موجودہ عدالتوں کی شہادتیں

یہ حال تو انصاف کا ہے اور مقدمات میں حق و صداقت سے کتنا کام لیا جاتا ہے اس کا اندازہ مسٹر شیگ چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ کی حسب ذیل تقریر سے (جو انہوں نے ۱۹۳۲ء میں کی) لگا لیجئے۔

> جب میں ہندوستان آیا اور مجھے بتایا گیا کہ اس ملک میں دیوانی اور فوجداری مقدمات کے لئے علی العموم جھوٹی شہادتیں تیار کی جاتی ہیں۔ تو میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی میں افسوس سے کہتا ہوں کہ میرے اپنے تجربہ میں بھی یہی بات آئی ہے صوبجات متحدہ میں یہ عام مثل ہے " سچ بولو عدالت میں نہیں ہو" اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثل صوبجات متحدہ ہی میں نہیں بلکہ کل ہندوستان پر مجھے قابل ترین وکلائے ہندوستان کے خیال کے مطابق اس ملک کی

---

[1] رسالہ قانون - لاہور جنوری ۱۹۳۴ء ص ۴۲ تا ۴۴ -

عدالتوں میں گواہوں کی بہت بڑی تعداد جھوٹ بولنے کے لئے
تیار کی جاتی ہے۔ اس بدی کی جڑ وہ حلف یا قسم ہے جو گواہوں
کو ۹۳۰ء کے ایکٹ کے بموجب دلوائی جاتی ہے (یعنی ہم خدا
یا پرمیشور کے سامنے ایمان سے اقرار کرتے ہیں کہ اس مقدمہ
میں سچ کہیں گے ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے)

اس قسم کا اثر اس ملک کے باشندوں پر کچھ نہیں ہوتا اور
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیوانی اور فوجداری عدالتوں میں جھوٹے
مقدمات دائر کئے جاتے اور جتائے جاتے ہیں۔ جو لوگ
راستی پر ہوتے ہیں وہ بھی جھوٹی شہادت تیار یا مہیا کرنے پر
مجبور ہوتے ہیں۔ کیونکہ دوسرا فریق ایسا ہی کرتا ہے۔ اس
لئے صاف ظاہر ہے کہ اس کی روک تھام کے لئے دو چیزوں کا
ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ زبانی شہادتوں کے مواقع کم کئے جائیں۔ اور یہ
رجسٹریشن کے قانون کو وسیع کرنے سے ہوگا۔

قسم کا صحیح طریقہ

دوسرا طریقہ بہترین شہادت پیش کرنے
کا قسم دینے کے دستور میں تبدیلی ہے۔
قسم اور حلف کا ایسا موثر طریقہ اختیار کیا جائے جس سے لوگ
ڈریں۔ دیہات کے ناخواندہ اور شہروں کے کم تعلیم یافتہ لوگوں
کو ایسی قسم دی جائے جس سے وہ ڈرتے ہیں مثلاً ہندو وغیرہ کیلئے

گنگا جلی رکھی جائے اور مسلمانوں کے لئے قرآن۔ اس سے شاید کچھ اصلاح ہو جائے۔ اس سے مقدمات میں کمی ہو جائے گی اور بہت سا وقت دوسرے کاموں کے لئے نکل آئے گا میرے خیال میں ہندو مذہب اور اسلام میں ایسی قسم کھانے سے کوئی امر مانع نہیں ہے اور ایسی قسم بعض ہندو ریاستوں اور اسلامی ممالک میں بھی رائج ہے۔ اگر یہ تجاویز اختیار کرلی جائیں تو میگنا چارٹر کے یہ الفاظ کہ "ہم کسی آدمی کے ہاتھ نہیں بکیں گے یعنی رشوت نہیں لیں گے کسی آدمی کی درخواست لینے سے انکار نہیں کریں گے۔ کسی آدمی کے ساتھ انصاف کرنے میں تاخیر نہ ہو گی" ہندوستان کے لئے بھی درست ہو جائیں۔

نسلی امتیاز کا قانون

۱۸۸۳ء میں مسٹر البرٹ نے ایک بل پیش کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ دیسی ججوں کو بھی انگریزی ملزموں کے مقدمات فیصل کرنے کے اختیارات دئے جائیں۔ لیکن انگریزوں نے اس بل کی مخالفت کی آخر اس بل میں یہ ترمیم کردی گئی کہ اگر انگریز ملزموں کے مقدمات کی سماعت دیسی ججوں کی عدالت میں ہو تو جیوری کے کم از کم نصف ممبر ضرور انگریز ہوں۔

وفاقی عدالت

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی رو سے ایک وفاقی عدالت بھی قائم ہوئی ہے۔ جو جوائنٹ کمیٹی کی رپورٹ کے الفاظ میں "دستور کی ترجمان اور اس کی محافظ ہو گی" اور عناصر وفاق کے

درمیان جو نزاعی معاملات رونما ہوں گے ان کی فیصل بنے گی۔ یہ عدالت ایک چیف جسٹس آف انڈیا اور چند ججوں پر مشتمل ہوگی۔ اس امر کا فیصلہ کہ تعداد میں جج کتنے ہوں، ملک معظم ہی مناسب سمجھ کر کریں گے۔ ہر جج کا تقرر ملک معظم کی طرف سے ہوگا۔ اور ۶۵ برس کی عمر تک وہ اپنے عہدہ پر متمکن رہے گا مگر اس سے قبل بھی جج علیحدہ ہو سکتا ہے۔ یا تو وہ خود استعفیٰ دے سکتا ہے یا ملک معظم اسے غلط روی یا جسمانی یا دماغی کمزوری کی بنا پر معزول کر سکتے ہیں بشرطیکہ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی جس سے ملک معظم استصواب کریں گے یہ رپورٹ کرے کہ جج مذکور ان اسباب کی بنا پر علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

وفاقی عدالت کے ججوں کے شرائط

صرف وہی شخص وفاقی عدالت کا جج بن سکتا ہے جو

(۱) برطانوی ہند یا کسی وفاقی ریاست میں، پانچ برس تک کسی عدالت عالیہ کا جج رہ چکا ہو یا

(۲) دس سال سے انگلستان یا شمالی آئرلینڈ میں بیرسٹری کر رہا ہو یا دس برس سے اسکاٹ لینڈ کی فیکلٹی آف ایڈوکیٹس کا ممبر ہو یا

(۳) کم سے کم دس برس تک برطانوی ہند یا کسی وفاقی عدالت میں پلیڈر رہا ہو

وفاقی عدالت دہلی میں یا کسی ایسے مقام یا مقامات پر اجلاس کیا کرے گی جن کا تعین چیف جسٹس آف انڈیا گورنر جنرل سے منظوری حاصل کرنے کے بعد کر دے۔ برطانوی ہند اور وفاقی ریاستوں کی ہائی کورٹوں کے فیصلوں کی اپیلیں اس عدالت میں سماعت ہوا کریں گی

اختیارات عدالت

کسی ایسے نزاعی معاملہ کا فیصلہ جس میں کوئی ریاست مدعی یا مدعا علیہ ہو وفاقی عدالت اسی وقت کرے گی جب متنازعہ فیہ معاملہ :-

(۱) اُن قانون ساز یا عاملانہ اختیارات کی حدود میں آتا ہو جو ریاست مذکور کے وثیقہ شمولیت کی رو سے وفاقی حکومت کو ریاست میں حاصل ہیں

(۲) اس سمجھوتے سے تعلق رکھتا ہو جو کسی وفاقی قانون کو ریاست میں نافذ کرنے کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔

(۳) کسی ایسے امر سے متعلق ہو جس پر وفاقی جماعت قانون ساز ریاست مذکور کے لئے قانون بنانے کا اختیار رکھتی ہے۔

(۴) اس سمجھوتے کے تعلق میں ہو جو قیام وفاق کے بعد کسی ریاست اور وفاق یا کسی ریاست اور کسی صوبے کے درمیان ملک معظم کے نمائندے کی منظوری سے بدیں غرض ہوا ہو کہ تاج کے فرائض جو ریاستوں کے سلسلہ میں اس پر عائد ہوتے ہیں ادا کئے جا سکیں۔

اُن معاملات میں وفاقی عدالت کا اختیار معطل سمجھا جائے گا جو کسی سمجھوتے کی رو سے اس کے اختیار سے بالا تسلیم کئے جا چکے ہیں۔

کسی عدالت عالیہ کے فیصلے کی اپیل وفاقی عدالت میں اسی صورت میں ہو سکے گی جب عدالت عالیہ اس بات کا سرٹیفکیٹ دیدے کہ مقدمے میں دستور ۱۹۳۵ء یا کسی حکم باختیار کونسل کی ترجمانی کے سلسلہ میں ٹھوس قانونی سوال اٹھتا ہے۔ برطانوی ہند کی ہر عدالت عالیہ کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ہر مقدمہ

میں یہ دیکھے کہ آیا اس قسم کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے یا نہیں اور خود اپنی تحریک سے سرٹیفکیٹ دے یا اس کے برعکس عمل کرے۔ گورنر جنرل کی اجازت لیکر وفاقی جماعت قانون ساز ایک قانون اس موضوع کا بنا سکتی ہے کہ فلاں فلاں دیوانی مقدمات میں بلا سرٹیفکیٹ بھی برطانوی ہند کی عدالتہائے عالیہ کے فیصلوں کی اپیلیں وفاقی عدالت میں سنی جا سکتی ہیں۔ مگر اس قانون کے ماتحت صرف انہی مقدموں کی اپیلیں وفاقی عدالت میں ہو سکتی ہیں جو پچاس ہزار روپے کی مالیت کے ہوں اور جن کی اپیل کی وفاقی عدالت نے خاص طور پر منظوری دی ہو کیسی ریاست کی عدالتِ عالیہ کے فیصلے کی اپیل وفاقی عدالت میں بطور مقدمہ خاص سماعت کی جایا کرے گی اور اس کا سبب یہ بیان کیا جائے گا کہ کوئی قانونی معاملہ غلط فیصل کیا گیا ہے۔

وفاقی عدالت کی اپیل

وفاقی عدالت کے فیصلوں کی اپیلیں ان معاملات میں جو دستور کی ترجمانی کے اعتبار سے یا وثیقہ شمولیت کی رو سے وفاقی حکومت کے اختیارات سے متعلق ہیں عدالت وفاق کی منظوری حاصل کئے بغیر (اور دیگر معاملات میں اس کی یا ملک معظم با اختیار کونسل کی منظوری سے) پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی کے سامنے پیش ہو سکیں گی۔

عدالتِ وفاق بحیثیت مشیر سلطنت

اگر کسی وقت گورنر جنرل یہ دیکھے گا کہ ایک اہم قانونی سوال پیدا ہو گیا ہے یا ہو جانے والا ہے اور اس سوال پر وفاقی

عدالت کی رائے حاصل کرنی ضروری ہے تو وہ عدالت سے مشورہ طلب کرے گا اور وفاقی عدالت مناسب سماعت کے بعد اس قانونی سوال پر گورنر جنرل کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔ رپورٹ اسی رائے سے مرتب ہوگی جو کھلی عدالت میں ظاہر کی جائے گی اور جس سے سماعت کرنے والے ججوں کی اکثریت متفق ہوگی۔ اختلافی آرا بھی ظاہر کی جا سکیں گی۔ انگلستان میں بھی یہ دستور ہے کہ ملک معظم کی طرف سے بعض اہم معاملات میں پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی سے استصواب رائے کیا جاتا ہے۔ اور کمیٹی ملک معظم کو اپنا مشورہ پیش کرتی ہے مگر وہاں اختلافی آرا کا اظہار نہیں ہوتا۔ یہ طریق کار ہیگ کی بین الاقوامی عدالت کا ہے۔

برطانوی ہند کی عدالتیں

جدید دستور کی رو سے کلکتہ۔ بمبئی مدراس۔ الہ آباد۔ لاہور اور پٹنہ کی عدالت ہائے عالیہ اودھ کی چیف کورٹ۔ صوبجات متوسط و برار، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ کی جوڈیشل کمشنروں کی عدالتیں، عدالتہائے عالیہ تسلیم کی جائیں گی۔ بنگال، مدراس اور بمبئی میں عدالتیں ۱۷۲۶ء میں جارج اول شاہ انگلستان کی ایک سند کی رو سے قائم ہوئی تھیں ۱۸۶۱ء میں ایک ایکٹ کی رو سے تاج کو بمبئی، مدراس اور کلکتہ میں کورٹس آف جوڈیکیچر قائم کرنے کا اختیار ملا۔ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے لئے عدالت عالیہ (جواب ہائی کورٹ آف جوڈیکیچر الہ آباد ہے) ۱۸۶۶ء میں بنی۔ پٹنہ کی عدالت عالیہ ۱۹۱۶ء میں اور لاہور کی ۱۹۱۹ء میں قائم ہوئی

اودھ میں چیف کورٹ جوڈیشل کمشنر کی عدالت کی جگہ سنہ ۱۹۲۶ء قائم کیگئی۔ اسکے اختیارات عدالت عالیہ کے اختیارات کے برابر ہیں۔ جدید دستور سے قبل کلکتہ کی عدالت عالیہ مرکزی حکومت کے اور باقی عدالتہائے عالیہ مقامی حکومتوں کے ماتحت تھیں۔ جدید دستور نے عدالت عالیہ کلکتہ کو حکومت بنگال سے متعلق کردیا ہے

ججوں کا تقرر اب سے قبل یہ ضروری تھا کہ ہر عدالت عالیہ کے ججوں کی ایک تہائی تعداد انگلستان یا آئرلینڈ یا اسکاٹ لینڈ کی سند یافتہ ہو۔ اور ایک تہائی تعداد انڈین سول سروس کے افراد کی ہو۔ جدید دستور نے ان دونوں شرائط کو اُڑا دیا ہے پیدہ کمیٹی کے الفاظ میں اس سے بعض اوقات بلند پایہ جج دستیاب ہونے میں دشواری ہوتی تھی" تاہم کمیٹی نے اپنی اس رائے کا اظہار بھی کردیا کہ انڈین سول سروس کے افراد شعبۂ عدالت کا ایک اہم اور قیمتی عنصر ہیں اور انکی موجودگی سے عدالتہائے عالیہ کی قوت واستعداد میں قابل لحاظ اضافہ ہوتا ہے

جدید دستور سے قبل انڈین سول جج عدالت عالیہ کے مستقل چیف جسٹس نہیں بن سکتے تھے۔ دستور نے اس معاملہ میں ملک معظم کی پسند پر سے پابندی ہٹادی ہے۔ آئندہ عدالت عالیہ کا ہر جج ملک معظم کی طرف سے مقرر ہوگا اور ساٹھ برس کی عمر تک ججی کے منصب پر فائز رہے گا (وفاقی عدالت میں ججوں کے سبکدوش ہونے کی عمر پینسٹھ برس ہے) مگر اس سے قبل بھی وہ علیحدہ ہو سکے گا۔ علیحدگی کی صورتوں کا تذکرہ وفاقی عدالت کے ججوں کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ عدالت عالیہ کے ججوں کے لئے شرائط

صلاحیت بھی وہی ہیں جو وفاقی عدالت کے ججوں کے لئے ہیں اور اوپر درج ہو چکی ہیں

مقدمات کا تبادلہ اگر اس امر کی درخواست پیش ہو، اور عدالت عالیہ اپنا یہ اطمینان بھی کر لے، کہ ماتحت عدالت میں ایک ایسا مقدمہ چل رہا ہے جسے وہ اپنے ہاں لے سکتی ہے اور جس میں کسی وفاقی یا صوبجاتی قانون کی صحت کا سوال در پیش ہے تو وہ اس مقدمے کو اپنے ہاں منگوا سکتی ہے۔ اس ضمن میں درخواست انتقال مقدمہ وفاق کے لئے وفاقی ایڈوکیٹ جنرل یا صوبے کے لئے وفاقی ایڈوکیٹ جنرل یا صوبجاتی ایڈوکیٹ جنرل کی طرف سے دی جائے گی۔ وفاقی عدالت اور عدالت ہائے عالیہ کی عدالتی زبان انگریزی ہو گی۔

ڈسٹرکٹ جج ڈسٹرکٹ ججوں کا تقرران کا تعین اور ان کی ترقی صوبوں میں گورنروں کے ہاتھوں میں ہو گی وہ ان معاملات میں تمیز خصوصی سے کام لیں گے پیشتر اس کے کہ ان معاملات میں گورنر سے سفارش کی جائے، عدالت عالیہ سے ضرور مشورہ لیا جائے گا۔

کوئی ایسا فرد جو پہلے سے ملک معظم کا نوکر نہ ہو صرف اسی صورت میں جج بننے کا اہل ہو گا جب وہ کم از کم پانچ برس تک بیرسٹری کر چکا ہو۔ اسکاٹ لینڈ کی فیکلٹی آف ایڈوکیٹس کا ممبر یا پلیڈر رہ چکا ہو، جس کے تقرر کی ہائی کورٹ کی طرف سے سفارش کی گئی ہو۔

ڈسٹرکٹ جج کی اصطلاح مندرجہ ذیل پر حاوی ہے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج، جوائنٹ ڈسٹرکٹ جج۔ اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ جج، چیف جج عدالت خفیفہ،

چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ سشن جج، ایڈیشنل سشن جج اور اسسٹنٹ سشن جج۔ ڈسٹرکٹ جج سے کمتر افراد کا تقرر صوبجاتی پبلک سروس کمیشن کے امتحان مقابلہ سے ہوگا معیار قابلیت صوبہ کا گورنر، صوبجاتی پبلک سروس کمیشن اور عدالت عالیہ سے مشورہ کرنے کے بعد متعین کرے گا۔ ان کو آزادیٔ عمل دینے پر جیدہ کمیٹی نے اصرار کیا تھا اور دستور میں اس اصرار کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے۔ ڈسٹرکٹ جج سے کمتر عہدوں پر تقرر، عہدے داروں کی ترقی اور تعطیلوں وغیرہ کا اختیار عدالتِ عالیہ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ تاہم یہ عہدہ دار اپیل کرنے کے حقدار ہوں گے۔

آنریری مجسٹریٹ کسی شخص کو مجسٹریٹی کے اختیارات اسی وقت تفویض ہوں گے جب پہلے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ سے مشورہ کرلیا جائے گا۔ یہی صورت مجسٹریٹی کا اختیار واپس لینے وقت بھی اختیار کی جائے گی[1]۔

ہندوستان میں جیلوں کا آغاز سنہ ۱۷۶۰ء سے ہندوستان میں جیلوں کا آغاز ہوا جہاں جہاں انگریزوں نے قدم جمائے وہاں وہاں جیل خانوں کی تعمیر شروع ہوئی پہلے ہندوستانی طریقہ کو برتا اور قلعوں میں جیل خانے بنوائے۔ مدراس اور کلکتہ کا قلعہ بھی اسی کام کے لئے استعمال کیا گیا۔ چنانچہ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ کلکتہ کا بلیک ہال اصل میں کلکتہ کے قلعہ کا انگریزی جیل خانہ تھا جس میں انگریز قیدی بند کئے جاتے تھے۔

---

[1] وفاقِ ہند مصنفہ نجم الدین جعفری ۹۱ تا ۹۶۔

۱۸۵۷ء تک انگریزوں نے بہت سے ہندوستانی مشاہیر و امراء کو قلعوں میں مقید کیا۔ چنانچہ ۱۸۰۱ء میں وزیر علی عرف منا جان شاہ اودھ کو کلکتہ کے قلعے کی کوٹھری میں اور ۱۸۰۶ء میں خاندانِ ٹیپو کو بلور کے قلعے میں اور ۱۸۱۸ء میں دیوان ترمبک اور ۱۸۴۸ء میں رانی ہیند کو چنار کے قلعے میں اور نواب واجد علی شاہ کو ۱۸۵۷ء میں ولیم فورٹ میں مقید کیا۔

واجد علی شاہ قید خانہ میں

نواب صاحب نے جیل خانہ سے جو خطوط لکھے ہیں ان سے اس جیل کی حیثیت معلوم ہوتی ہے خطوط کے اقتباسات یہ ہیں۔

جس میں اب ہم قید ہیں اس کو ولیم فورٹ کہتے ہیں۔ اور اس کو قلی باب بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۳۷۳ھ میں یہاں لارڈ کننگ ڈلہوزی کے قائم مقام تھے ان کا ایک خط ہمارے نام آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ مفسدین نے آپ کو بدنام کر رکھا ہے اس واسطے کونسل کی تجویز ہوئی کہ چندے آپ تبدیل مکان کر دیں میں نے جواب میں لکھا کہ مجھ کو مفسدین کی کچھ خبر نہیں۔ میں کسی فساد میں شامل نہ ہوں گا۔ اس قلعہ میں میری زندگی دشوار ہے مجھ کو اجازت ہونی چاہیئے کہ میں اپنے گھر میں رہوں۔ آٹھ روز کے بعد یہ تجویز ہوئی کہ ہم قلعہ کے اندر جو کوٹھی ہے اس میں اٹھ جائیں اور سوائے تیس آدمیوں کے جو ہمارے ہمراہ ہیں پرندہ تک پر نہ مار سکے۔ قید خانے کے دروازے بند کر دیئے گئے ہمارا دم گھٹنے لگا۔ جو لوگ میرے ساتھ قید خانے میں آئے ان کے نام یہ ہیں:-

واجد علی شاہ کے ہمراہی قیدی

مجاہد الدولہ، ذوالفقار الدولہ فتح الدولہ، خزانچی کاظم علی سوار، باقر علی، محمد جان چوبدار، حیدر خاں کول بردار، امیر بیگ خواص، ولی محمد مہتر، محمد شبیر خاں گولہ انداز، کریم بخش سقہ، حاجی قادر بخش کہار انگشت بردار، امامی گاڑی پوچھنے والا، ایک ملازم عبد الرزاق کان میلیا بنگالی عورتوں میں راحت السلطان خاصہ برادر، کربلائی، حسینی گلوری والی اور محمد خانم مغلانی

نواب کے کھانے کا معائنہ

دو برس مجھ کو اس قید خانہ میں ہو چکے ہیں۔ اسی مصیبت سے رات دن کٹتے ہیں۔ گھر سے دو وقتا کھانا آتا ہے۔ دیگچی کھول کر دیکھ لی جاتی ہے جب کہیں مجھ تک آنے پاتی ہے۔ نہ کوئی غمخوار ہے نہ عزیز ہے۔ نہ یار ہے کسی سے بات کرنے کا حکم ہے نہ کوئی آتا ہے۔

ملاقات اعزا ممنوع

یہ سب صدمے ۱۲۷۴ھ میں بھگت رہا ہوں۔ اس وقت میرا سن ۳۴ سال کا ہے۔ دوسری منکوحہ اختر محل دختر علی نقی خاں سے ایک لڑکا پیدا ہونے کی خبر ہوئی۔ افسوس باپ قید میں ہے بیٹے کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔ ایک قید خانے میں ہم پڑے ہوئے ہیں۔ چاروں طرف سے حراست ہی ہمارے اٹھارہ آدمی رات دن مصیبت جھیل رہے ہیں۔ بہت سے ساتھی جا چکے ہیں۔ ہر ایک اپنے سے بیزار ہے۔ قید غم میں گرفتار ہے۔

نواب پر جیل کی پابندیاں

بہشتی، خاکروب آتے ہیں ان کے ساتھ

ایک ایک گورا بھی آتا ہے مجال کیا ہے جو مُنہ سے بول سکے۔ روشنی والا جب تیل لے کر آتا ہے گوبرے کی ٹھوکر ضرور کھاتا ہے۔ ہربرٹ صاحب دونوں وقت روز آتے ہیں جو کرنل کے پیش دست میجر ہیں۔ وہی زنداں کا بندوبست کرتے ہیں۔ قیدیوں کی گنتی لیتے ہیں۔ ایک داروغۂ زنداں کالن صاحب ہے۔

علاج معالجہ

جو کوئی ملازم بیمار ہوتا ہے تو ایک ڈاکٹر معالجہ کے واسطے آتا ہے۔ میری طبیعت جب علیل ہوتی ہے تو معالج خاص طبیب آتا ہے۔ ایسی سخت تکلیف ہے کہ جس سے دل تنگ اور پریشان ہوں۔

جیل کی کوٹھی کی حقیقت

قید خانے کی کوٹھی بہت وسیع ہے مگر میرے کس کام کی ہے ہر وقت دروازے بند گرمی سے تنگ ہے۔ حالت تباہ ہے۔ جب دروازے کھلتے ہیں تو دھوپ کی شدت سے جان بیزار ہوتی ہے۔ درجہ وسطی میں ہم قید ہیں۔ نیچے کا درجہ اور اوپر کا بالکل خالی ہے گویا معلق لٹکے ہوئے ہیں۔ کئی مرتبہ لاٹ صاحب کو شکایتی خطوط بھیجے مگر کسی کا جواب نہ ملا۔

نواب وزیر علی خاں کی اسیری

اسی قلعہ میں نواب وزیر علیخان صوبیدار اودھ ساری عمر قید رہے "سوانحات سلاطین اودھ" کے مصنف سید کمال الدین حیدر اس اودھ کے جلاوطن حکمران کا اسیری اور موت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

مرزا وزیر علی خاں ایک بنگلہ میں رہتے تھے جس کی غلام گردش میں آہنی سلاخیں تھیں۔ کوئی ہندوستانی نہ جانے پاتا تھا فقط ڈاکٹر جایا کرتے تھے کچھ کتابیں تاریخ کی انہیں تنہائی تھیں۔ مگدر ورزش کے لئے رکھتے تھے۔ گوروں کا ڈبل پہرہ رہتا تھا۔ ۳۶ برس کے سن میں ۸ / جون ۱۸۱۷ء مطابق ماہ شعبان ۱۲۳۲ھ عارضہ تپ وغیرہ سے انتقال کیا۔ مقبرہ آج تک مقفل رہتا ہے۔ وفات کے وقت ملا کبیر صاحب کوتوال شہر تھے۔ لاش کے غسل کے وقت گورے علیحدہ نہیں ہوتے تھے۔ جب مرزا جعفر حسن کو ضروریات کے واسطے بلوالیا تھا تھا ہو کر گھر جانے لگے تب گورے قنات سے باہر گئے۔ بعدہٗ دفن کے بعد بھی چند روز گارد رہا۔"

۱۸۳۸ء تک جیلوں کی تعداد

۱۸۳۸ء میں بنگال کے ضلعوں، صوبہ سرحد، مدراس بمبئی میں دیوانی قیدیوں کے لئے "۴۳" جیلیں اور فوجداری قیدیوں کے لئے "۷۵" جیلیں اور مشترکہ قیدیوں کے لئے "۶۸" جیلیں تھیں جن میں "۲۰۷۹" قیدی رکھے جا سکتے تھے۔ اس وقت ان جیلوں میں "۹۰۷۴۲" مقید تھے جو ہوتے ہوتے ۵۶۶۳۲ کی تعداد تک پہنچ گئے تھے[۱]۔

قیدیوں کا عمارتیں بنانا

بہت سے قیدی سڑکیں اور مکانات بناتے تھے جن کو ان کے ضلعوں سے بہت دور رکھا جاتا تھا۔ حقیقت ہے کہ اس وقت بنگال میں ۲۹ ہزار قیدیوں میں سے ۱۳ ہزار قیدی گرانڈ ٹرنک روڈ بنانے پر مامور تھے اور جیل کا قاعدہ

---

[۱] امپریزنمنٹ ۶۷۔

یہ تھا کہ قیدی سزا یا مشقت لے کر آتا اس سے سڑکیں بنوائی جاتی تھیں۔
اور لقایا عام قیدیوں سے کوئی کام نہ لیا جاتا تھا اور اگر کچھ قیدیوں سے کام
بھی لیا جاتا تو معمولی اور ان کو جیل میں رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ قیدیوں کی ڈسپلن
کمیٹی کی رپورٹ میں جو ۱۸۳۸ء میں چھپی تھی درج ہے "کہ کلکتہ اور مدراس
اور بمبئی کی جیلوں میں تمام قیدی بیکار ہیں" چنانچہ یہ پوزیشن اس لئے بھی کہ
قانون میں قیدی سے مشقت لینے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ مگر ان جیلوں میں قیدی
قالین، کپڑے اور دریاں بننے کا کام کرتے تھے جو جیلر کی مرضی پر ہوتا۔
وہ جس سے جو مناسب سمجھتا تھا کام لیتا تھا۔

محض قید کا آغاز

۱۸۳۶ء کی کمیٹی نے اس بیکار رہنے کے طریقہ کو
بےحد ناپسند کیا اور سفارش کی کہ جیلوں میں قانوناً
دن میں عام قیدیوں سے چھ گھنٹے کام لیا جائے اور مجسٹریٹ کو چاہیئے کہ اگر
وہ قیدی کو سزائے با مشقت نہ دے اور محض سزا دے تو اس کا ذکر اپنے
فیصلہ میں کر دے چنانچہ اس زمانے میں محض قید کا آغاز ہوا۔

سڑکیں بنانا بند

اس کمیٹی نے ان قیدیوں کے مسئلہ پر جو سڑکیں
بناتے تھے ہمدردانہ طریقہ پر غور کیا۔ تو یہ محسوس
کیا کہ جن حالات کے ماتحت وہ کام کرتے ہیں وہ انتہائی ناقابل تخفیف ہیں۔
جس سے قیدیوں کی کثیر تعداد بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور لاتعداد
اموات واقع ہوتی ہیں اس بناء پر انہوں نے اس طریقہ سے کام نہ لینے کی
سفارش کی جس کی وجہ سے سڑکیں بنانے کا کام قیدیوں سے لیا جانا بند

کر دیا گیا۔ اور جیل میں بھی کام لینے کا طریقہ رائج کر دیا گیا جو آجتک جاری ہے۔

درجہ بندی

ہندوستان کی ۱۸۳۸ء کی جیلوں کی حالت سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے قیدیوں کی علیحدگی اور درجہ بندی معمولی طور پر تھی۔ مرد عورتوں سے علیحدہ رکھے جاتے تھے۔ دیوانی قیدی اخلاقی قیدیوں سے اور حوالاتی تمام قیدیوں سے علیحدہ رکھے جاتے تھے اور جن قیدیوں کی سزا بامشقت ہوتی تھی ان کو محض قیدیوں سے علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ قیدیوں کی درجہ بندی ہر ایک ضلع کے انتظام پر کی جاتی تھی۔ بنگال میں سزا کی میعاد کے لحاظ سے درجہ بندی ہوتی تھی لیکن بمبئی میں قوم اور مذہب کو مدنظر رکھ کر کلاسیں تقسیم ہوتی تھیں ۱۸۳۸ء کی کمیٹی نے جرم کے لحاظ سے درجہ بندی کرنے کی سفارش کی اور ساتھ ہی اس بات پر زور دیا کہ یہ درجہ بندی اور علیحدگی حوالاتیوں میں بھی ہونی چاہیے۔

قیدیوں کی تعلیم کی مخالفت

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کمیٹی اس بات کی مخالف تھی کہ نابالغوں کو بالغ قیدیوں سے علیحدہ رکھا جائے جس طرح کہ آجکل علیحدہ رکھا جاتا ہے لیکن وجہ جو ظاہر کی تھی وہ یہ تھی کہ "نابالغوں کا و تیرہ مذہبی اور دنیوی طور پر جوان و بالغ قیدیوں کی موجودگی میں اتنا برا نہیں ہوتا جتنا کہ ان کی عدم موجودگی میں ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ کمیٹی قیدیوں کی تعلیم کے خلاف تھی۔ ان کا خیال تھا کہ تعلیم سے قیدیوں کا چال چلن میں اصلاح ہونا ناممکن ہے۔ انگریزی جیل خانوں میں جو سزا کے واسطے طریقے برتے جاتے تھے ان کی جھلک کہیں کہیں

کمیٹی کی رپورٹ میں نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر کمیٹی نے سفارش کی تھی کہ ہندوستان کی جیلوں میں ٹریڈ ویلز شروع کئے جائیں اور قید تنہائی میں اضافہ کیا جائے۔

خوراک کی قیمت سکوں کی شکل میں

زمانہ سابقہ میں قیدیوں کی خوراک کی بجائے اس کی قیمت سکوں کی شکل میں دی جاتی تھی۔ جس کو مدراس بمبئی کی جیلوں میں سب سے پہلے بند کیا گیا۔ اور ۱۸۳۸ء میں بنگال شمال مغربی صوبوں میں منسوخ کیا۔

جیل کی غلط بناوٹ

موجودہ زمانے کے مطابق ان جیلوں کی بناوٹ غلط تھی۔ یہاں تک کہ علی پور کا بڑا جیل خانہ جس کی تعمیر ۱۸۱۰ء میں ہوئی اور جس میں ایک ہزار قیدی رکھے جاتے تھے نقائص سے پُر تھا۔ اس جیل کی بارہ بیرکوں میں گیارہ سو مایوس وامید شکن قیدی اکٹھے سوتے تھے اور ایک ہی کھلی جگہ میں تمام قیدیوں کو دوپہر سے شام تک رکھا جاتا تھا۔ ان کا مختصر سا بوریوں کے بننے کا کام سست وکاہل قیدی بھی دوپہر تک ختم کر دیتا تھا۔ بقایا وقت خوش و خرم رہتے، گپ شپ لگانے میں لڑائیں اور روٹی پکانے میں لگا دیتا تھا۔ روٹی کھانے کا سامان جیل کے بازار سے خریدا جاتا تھا جو ایک کھلی جگہ پر فروخت ہوتا تھا۔ سستی کے علاوہ ڈسپلن کا ان میں بالکل فکر و خیال نہ تھا۔ جو سپاہی ان کی نگرانی کرتے تھے ان کا قیدیوں پر کوئی اثر نہ تھا کیونکہ سپاہیوں کے پاس کوئی رعب والا سامان نہ ہوتا تھا اور انکی تعداد بھی معمولی سی ہوتی تھی۔

ہندوستان کی جیلیں انگلینڈ کی جیلوں سے بہتر

بہر حال ۱۸۳۸ء کی کمیٹی نے ہندوستان کی جیلوں کی عمارات اور اس کے قواعد و ضوابط کو نکمہ قرار دیا اور توجہ دلائی کہ ہندوستان بھی اسی قدر ترقی یافتہ ہے جسقدر کہ انگلینڈ ہے اور ہندوستان میں ہاورڈ کی تجویزوں پر عمل کیا جا چکا ہے جن پر انگلینڈ نے ابھی عمل کرنا شروع کیا ہے۔ ڈاکٹر موٹ (۱۸۵۵ء میں) لکھتا ہے

اگرچہ ہندوستان کی جیلوں میں بہت کچھ اصلاح ہو گئی ہے لیکن پھر بھی بہت کچھ اصلاح کرنا باقی ہے کئی جیلوں میں عملہ تھوڑا ہے اور داروغوں کی ہدایت کے ماتحت جو انتظام ہو رہا ہے وہ نامکمل ہے کئی جیلیں گندہ و غلیظ تھیں اور ان کا ڈسپلن کمزور تھا باوجود ان نقائص کے ہندوستان کی جیلیں انگلینڈ کی جیلوں سے بدرجہا بہتر تھیں قیدیوں کی موت کی اوسط ہندوستان کے جیل خانوں سے بہت زیادہ انگلینڈ کے جیل خانوں کی تھی۔" (آدم)

سنگاپور کے مقامی مجرموں کو جیل نظام کے شروع ۳۵ سالوں میں جلا وطنوں کے ساتھ رکھا جاتا تھا جسکی ۱۸۳۸ء کی کمیٹی نے مذمت کی۔ اس لئے ایک نئی جیل تیار ہونا شروع ہوئی جو ۱۸۶۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی جس کا معائنہ کرنے کیلئے پانچ سال بعد ڈاکٹر موٹ گئے اور جیل اور اس کے نظام کو تسلی بخش قرار دیا اور لکھا کہ :-

"اس جیل جیسی صفائی اور کام اور سزا کا طریقہ اور قیدیوں کی صحت کا معیار میں نے یورپ اور ایشیا کی کسی جیل میں نہیں پایا اور اسکی کفایت شعاری ڈسپلن کی تقلید ہندوستان کی بہت سی جیلوں نے کی ہے۔"

جیل کا دورِ موٹ

ڈاکٹر موٹ کے دورے کے بعد اور اسکی کچھ سفارشوں کی وجہ سے ہندوستان کی جیلوں کی عمارت اور نظام میں اصلاح کی گئی۔ سنہ ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۵ء تک مدراس میں بڑی صوبجاتی جیلیں کیمبتور، سیلم اور ترچناپلی میں تیار کی گئیں۔ سیلم کا جیل خانہ دو وجہ سے قابل تعریف ہے۔ اس میں کوٹھریاں علیحدہ اور دو منزلی ہیں اور اس طرح بنی ہوئی ہیں جس طرح دو دائرے ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں۔ ہر ایک دائرے میں کوٹھریوں کے تین تین بلاک ہیں جو کہ اور دائروں سے تبدیل ہوتے جاتے ہیں تاکہ روشنی اور ہوا کا انتظام عمدہ رہے۔ دوسری جیلیں ترچناپلی، کیمبتور اور ڈھنگ کی بنی ہوئی ہیں۔ ان کے درمیان ایک چکر ہے اور اس کے اردگرد کوٹھریوں کا دائرہ ہے۔ اس طریقہ کی اکثر جیلیں تمام ہندوستان میں بنائی گئی ہیں جیسے کہ ناگپور اور جبل پور میں۔

ہندوستان نے جیلوں کے سلسلہ میں ان ۸۲ سالوں کے اندر کافی ترقی کی ہے۔ کیمبتور جیل جب تیار کیا گیا تو اس میں علیحدہ کوٹھریاں نہیں بنائی گئی تھیں اس میں صرف بیس علیحدہ کوٹھریاں تھیں جن میں مجسٹریٹوں کی دی ہوئی قید تنہائی والے قیدی رکھے جاتے تھے باقی تمام قیدی بیرکوں میں اکٹھے سوتے تھے۔ اب وہاں پندرہ سو قیدیوں کی جیل میں آٹھ سو کوٹھریاں بنوا دی گئی ہیں۔ اسکا پہلا ہسپتال دو وارڈ نہیں تھا اور اس کا جو مطبخ تھا وہ بیت الخلا اور پوسٹ مارٹم کرنے والے کمروں کے درمیان تھا۔ مگر اب موجودہ روشن خیالی سے ان چیزوں میں تبدیلی کر دی ہے اور ہر ایک بیماری کے مریضوں کیلئے علیحدہ علیحدہ بیرک بنائے گئے ہیں اور آپریشن کیلئے علیحدہ کمرے اور انتظام کرنے کیلئے جا بجا لاک مقرر کر دئے گئے ہیں

بیاسی سال پہلے پینے کے پانی پر کوئی توجہ نہ دی جاتی تھی اور اس کو صاف نہیں کیا جاتا تھا۔ قیدی کھلے مقامات پر غسل کرتے تھے اور پینے کا پانی لکڑی کی بالٹیوں سے کھینچا جاتا تھا۔ آجکل پینے کے پانی کو صاف کیا جاتا ہے اور اسمیں کلورین ڈالی جاتی ہے اور پائپ کے ذریعہ تمام جیل میں پہنچایا جاتا ہے اور غسل فواروں کے نیچے کیا جاتا ہے۔ بیت الخلا میں مکھیاں داخل نہیں ہو سکتیں گندگی کو مشین سے نکالکر گڑھے میں پھینکدیا جاتا ہے۔ اسی طرح خوراک کے بھی انتظامات کئے گئے ہیں بڑا مطبخ بنایا جاتا ہے جس میں مکھیاں داخل نہیں ہو سکتیں اور وہاں پر اچھی نگرانی کے ماتحت تمام کھانا تیار کیا جاتا ہے ان تمام حفظان صحت کے اصولوں کی وجہ سے قیدیوں کی صحت میں خاص تبدیلی رونما ہوئی اور ان کو وبائی بیماریوں سے نجات مل گئی۔ مدراس کی جیلوں میں اموات کی اوسط ہندوستان کی تمام جیلوں سے کم ہے جسکی وجہ مدراس کی جیلوں کا اصول حفظان صحت کو مقدم رکھنا ہے۔

جیلوں کی سابقہ تنظیم میں بھی تبدیلی کی گئی۔ ۱۸۷۲ء میں کیمبٹور صوبہ ضلع کی جیلوں میں ہر سال پانچ سو سے زیادہ کوڑے لگائے جاتے تھے۔ اور کوڑے لگانیکا مقصد یہ تھا کہ تنظیم قائم رہے لیکن اب جبکہ زیادہ تعداد میں کوڑے نہیں لگائے جاتے تنظیم میں کوئی خرابی نہیں ہے اور نہ کام میں کسی قسم کی کمی ہے اور نہ کسی قسم کا فرق پڑا ہے۔

جیل ایکٹ پہلا جیل ایکٹ ۱۸۹۴ء میں اور دوسرا جیل ایکٹ ۱۹۰۰ء میں نافذ کیا گیا۔ جسمیں جیل کے تمام ضروری مسائل مثلاً سپرنٹنڈنٹ، میڈیکل افسر، جیلر، اسسٹنٹ جیلر، دربان، سزا یافتہ قیدی کے فرائض، جیل کا ڈسپلن، کھانا، کپڑا، بلڈنگ

موجودہ جیل خانوں کا مقصد

اگرچہ تعزیرات ہند جرموں کے روکنے اور دبانے کے لئے بنایا گیا ہے لیکن جیلوں کا صیغہ عدالتوں کی دی ہوئی سزاؤں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ قید کا مقصد انسان کو اور قوم کو جرموں سے بچانا ہے اور سوسائٹی کے خلاف کردہ گناہوں کو دور کرنا ہے۔ اور مجرموں کو علیحدہ رکھ کر سوسائٹی کو برائیوں سے بچانا ہے۔

سنہ ۱۸۳۸ء کی جیل کمیٹی نے جیل کے چار مقصد بیان کئے ہیں:-

(۱) سوسائٹی کو گناہ سے دور کرنا۔

(۲) آدمی کو گناہ سے دور رکھنا۔

(۳) آدمی کو سزا دے کر اس کو گناہ و جرم کرنے سے بچانا۔

(۴) اصلاح قیدیان

اِس کمیٹی کا خیال ہے کہ سب سے پہلی چیز انتہائی ضروری ہے۔ لیکن آخری بات میں اُن کا کوئی اعتماد نہیں۔

ہاورڈ اور اُس کے ساتھیوں کی طرح کمیٹی کا خیال تھا کہ قیدیوں کی اصلاح قید تنہائی اور مذہبی ہدایات سے ہو سکتی ہے

اِس زمانہ میں یہ ماننا پڑے گا کہ ہندوستان میں قید کرنے سے گناہ نہیں رُک سکتے۔ لیکن اُس بات کا کوئی افسوس نہیں ہونا چاہئیے کیونکہ جو سزائیں گناہ اور جرموں کو روکنے کے لئے دی جاتی ہیں وہ ہمیشہ ناکامیاب ہوتی ہیں۔ اِس کے بجائے اِس بات کی کوشش کرنی ضروری ہے کہ مجرم کی

اس طرح تربیت دی جائے کہ رہائی کے بعد وہ قوانین شہری کی قدر کر سکے۔
آجکل کے جیل خانوں کے مقصد یہ ہیں:-

(۱) ان مجرموں کو جو قوانین نہیں مانتے اور جان بوجھ کر سوسائٹی کے خلاف جھگڑتے ہیں ایک مدت کے لئے سوسائٹی سے علیحدہ کر دیا جائے تاکہ سوسائٹی کی حفاظت ہو سکے۔

(۲) اس علیحدگی کے دوران میں جیل کے ایسا سلوک کیا جائے کہ رہائی کے بعد وہ جرم نہ کر سکیں اور شہری قوانین کی حفاظت کرنیوالے بنیں
پہلا مقصد اچھی طرح حاصل ہو سکتا ہے بشرطیکہ شرافت اور انسانیت برتی جائے لیکن دوسرا مقصد جلد نہیں تدریجی پایۂ ا... کو پہنچ سکتا ہے